Postal Regd. No.LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Vol. No. 44 Issue No. 18

# Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522- 2741834 - 2741231
E-mail: nadwa@sancharnet.in

25 July. 2007

Mobile: 09415786548

Mohd. Akram
Jewellers

Phone: Shop. 0522-2274606
(R) 0522-2616731

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow

MEENA
QUALITY CAKE

مینا بیکری

MEENA BAKERY
Specialist In:
Bread, Bunds, Cakes, Biscuits,
Pasteries, Rusk, Birthday Cakes,
Paties, Rolls etc

337 Phool Bagh, Lucknow-226001
Ph: 2629448

Ph-2266786
Mob:9415015169

ثناء جویلرس

SANA JEWELLERS

Riyaz Ahmad
Ghyas Ahma

۳۰۱/۱۲ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳

301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر،
فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب،
عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد دوکان :

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہار سن پرفیومرس

اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell.91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845

Shop: 9415012532
2614736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

گڑیہ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editer: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2740406 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile: 9415769282

پندرہ روزہ

# تعمیرِ حیات

لکھنؤ

## ادب اور ادیب

اگر یہ حقیقت ہے : ناقدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار و معاون عنصر تسلیم کیا ہے اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لبِ جو، کنارِ دریا، گوشۂ چمن، فصل بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت اُن کی شاعری اور اُن کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے اور اُن میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں۔

تو یہ بھی حقیقت ہے : اس طرح یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے یعنی اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے جو صاحب دل اور صاحب درد تھے اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جائیے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

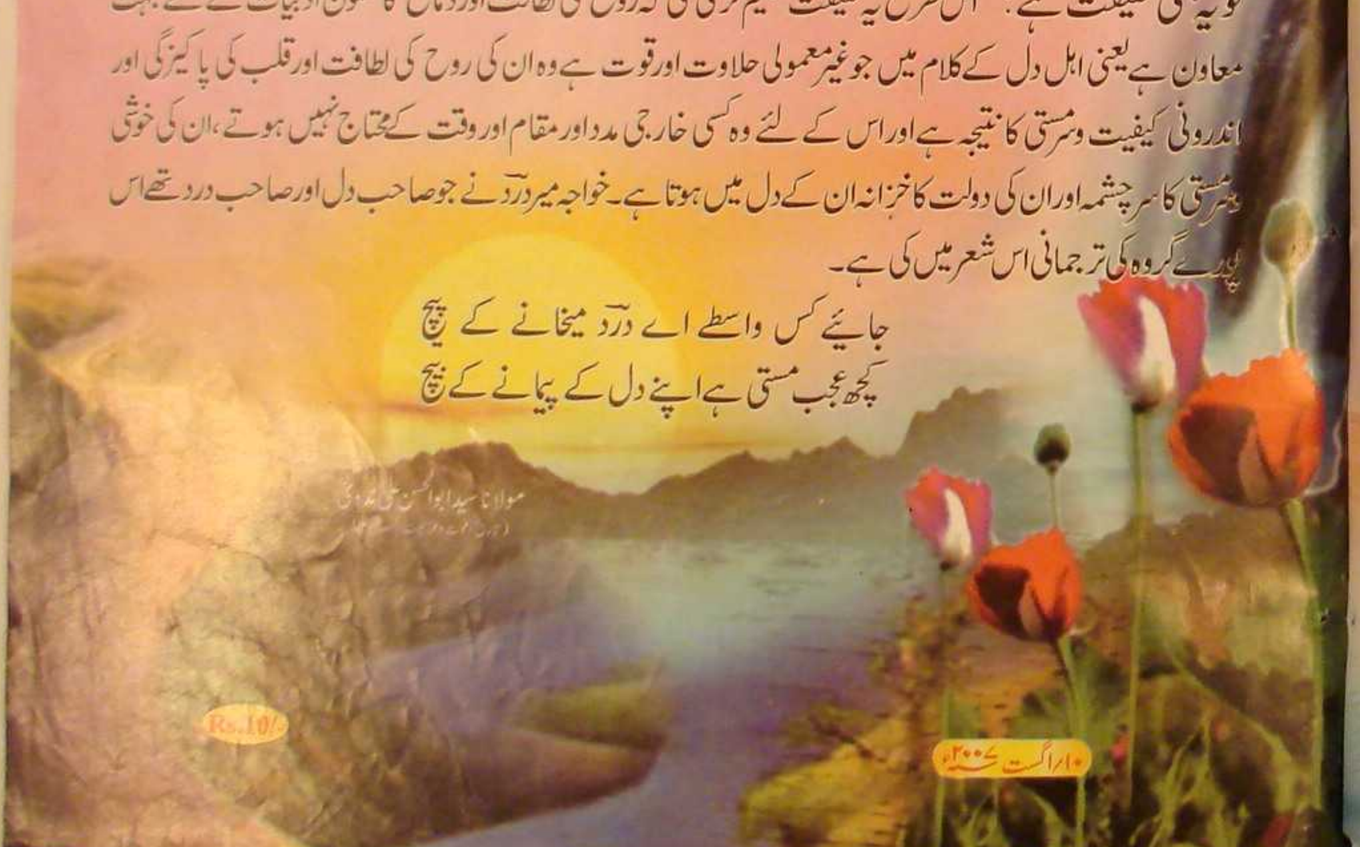

Rs.10/-

۱۰/ اگست ۲۰۰۷ء

پندرہ روزہ

# تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۴ شمارہ نمبر ۱۵

۱۰/ اگست ۲۰۰۷ء مطابق ۲۶ / رجب المرجب ۱۴۲۸ھ



زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول: مولانا نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین



سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے


آپ کے خریداری نمبر کے پیچھے اگر کوئی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)


پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔



Computer Tameer-e-Hayat (Hashmat Ali)


بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اِس شمارے میں


**شعروا دب**

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں — علامہ اقبالؒ — ۲

**اداریہ**

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے — نذر الحفیظ ندوی — ۳

**کتاب الٰہی**

آیات قرآنی کے اعجاز کے چند نمونے — ڈکٹر عودہ خلیل الرحمن/محمد سمعان خلیفہ ندوی — ۶

**فکرو نظر**

انسانی قدروں کے بدلتے پیمانے — مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ۸

**چشم کشا**

سب سے یقینی حقیقت کی طرف سے غفلت — شمس الحق ندوی — ۱۰

**اظہار حق**

کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد پہلی جنگ آزادی تھی؟ — مولانا سید محمد ولی رحمانی — ۱۲

**احساس ذمہ داری**

مدارس کا کردار — بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۵

**عالم اسلام**

سوڈان کا صوبہ دارفور..... — سمیع الحق شیر پاؤ — ۱۷

**تجزیہ**

انجیل مرقس میں تحریف کی ایک مثال — سلمان نسیم ندوی — ۲۰

**جائزہ**

مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور دہرا معیار — انیس احمد ندوی — ۲۳

**نقطۂ نظر**

یورپ میں آزادی کا تصور — ڈاکٹر اسامہ بامیلا المسعود حسن حسنی ندوی — ۲۶

**وفیات**

مولانا ناصر علی ندوی مرحوم کی چند خصوصیات — محمد زید مظاہری ندوی — ۲۹



Ph:2260433

جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنہ پیلیس

میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace

Whenever you see Jewellery
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

A. M. ISMAIL
Cell: 9282107190

BADAR

Tel. 25213317 / 52161451 Fax. 25266526
P.O. Box No. 110
Mobile: 9444026533
E. mail. badar@md4vsnl.net.in
Website. badartex.com

BADAR TEXTILES

New No. 67 (Old No. 32)
Angappa Naicken St.
Near Harbour Tel. Exchange
(MADRAS) CHENNAI - 600001 INDIA

Mfrs & Exporters of
Cotton Handloom, Powerloom,
Polyster, Printed Lungies,
Kerchiefs, Rumals & Hosiveas

شعروادب

# خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں

از ..... علامہ اقبالؒ

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجُو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

طلسمِ گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں
زُجاج کی یہ عمارت ہے سنگِ خارہ نہیں

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلۂ مردِ ہیچ کارہ نہیں

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں

یہیں بہشت بھی ہے، حُور وجبرئیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخیِ نظارہ نہیں

مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا
وہ پیرہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

غضب ہے عینِ کرم میں بخیل ہے فطرت
کہ لعلِ ناب میں آتش تو ہے شرارہ نہیں



اداریہ

# کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے

از ..... نذر الحفیظ ندوی

اگرچہ استعماری طاقتوں نے اپنا سیاسی اور فوجی اقتدار اسلامی ملکوں سے دوسری جنگ عظیم کی بدولت تباہی سے دوچار ہونے کی وجہ سے ہٹالیا تھا لیکن اس کے چند سالہ قیام نے ایسے منحوس اثرات چھوڑے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس نحوست سے خالی نہیں رہا، اس سے زیادہ بدقسمتی یہ رہی کہ ان استعماری طاقتوں نے جاتے جاتے اقتدار کی کرسی پر اپنے ایسے فرماں بردار ایجنٹوں کو بٹھادیا کہ انہوں نے بھی کرسی اقتدار کو چھوڑنے کے بجائے توڑنے کو ترجیح دی، کمال سے لے کر جمال تک اور قذافی وحافظ الاسد سے لے کر صدام وحسنی مبارک تک ایسے ڈکٹیٹر عوام پر مسلط ہوگئے جنہوں نے اسلام دشمنی ہی نہیں ملک دشمنی کے بھی سارے ریکارڈ توڑ دیے، ان تمام رہنماؤں نے کمال اتاترک کو اپنے لیے نمونہ بنایا اور اسی کے نقش قدم پر چلنے کو اپنا نصب العین قرار دیا، مغربی طاقتوں نے ان کی مکمل سرپرستی کی اور انہیں ہیرو بنا کر ان سے خوب کام لیا۔

کمال اتاترک نے سب سے پہلے لوزان معاہدہ کے مطابق خلافت کا الغا کردیا، مسلم پرسنل لا کی جگہ سوئزرلینڈ، جرمنی اور فرانس کے قوانین کو اختیار کیا، تمام ترکوں کے لیے انگریزی لباس کو لازمی قرار دیا، عربی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کر کے ترکوں کو اپنے عظیم الشان دینی وملی ورثہ سے محروم کردیا، ان احکامات کی مخالفت کرنیوالوں کو تختہ دار پر لٹکادیا، لاکھوں انسانوں کو جیلوں میں ڈالدیا، ہزاروں کو یا تو پھانسی دیدی یا وہ ہجرت پر مجبور ہوگئے، کمال اتاترک کو اپنے ہم وطنوں پر بھروسہ نہیں تھا کہ وہ اس کی موت کے بعد اس کی مرضی کے مطابق حکومت چلاسکیں گے اس لیے اس نے بستر مرگ پر برطانوی سفیر مقیم انقرہ سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ حکومت کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ وہ ملک کو محفوظ ہاتھوں میں دیکھ کر سکون سے مرسکیں، کمال کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے حرف بہ حرف اس کے احکامات کی تنفیذ کی اور اسٹالن وہٹلر جیسے سفاک اور ظالم حکمرانوں کی طرح ترک عوام کو پیس کر رکھ دیا۔

کمال ہی کے نقش قدم پر مصر وشام، عراق وتونس، الجزائر اور لیبیا کے حکمراں چلے، انہوں نے بھی کمال ہی کی طرح دین وملک دشمنی کی مثالیں قائم کیں، ترکی ہی کی طرح دین سے نسبت رکھنے والوں کو تختہ دار پر چڑھایا گیا ایک ایک ملک میں پچاس پچاس ہزار انسانوں کو جیلوں میں ڈالدیا گیا، پُرامن اور آباد شہروں پر اس طرح بمباری کی جیسے وہ دشمن کے شہر ہوں، لاکھوں انسان اپنے محبوب وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، امریکہ میں حال ہی میں منعقد ایک سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالوں سے معلوم ہوا ہے کہ صرف مصر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار شہری ہمیشہ کے لیے ترک وطن کر کے دوسرے ملکوں کی قومیت اختیار کرچکے ہیں، عارضی طور پر ہجرت کرنے والے مصریوں کی تعداد انیس لاکھ ہے، صرف امریکہ میں مصری سائنسدانوں، انجینئروں، ڈاکٹروں، میزائل اور ایٹمی منصوبوں اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں کام کرنے والے ماہرین کی تعداد تین لاکھ اٹھائیس ہزار، کناڈا میں ایک لاکھ دس ہزار، اٹلی میں نوے ہزار، یونان میں ساٹھ ہزار، فرانس میں چھتیس ہزار، برطانیہ میں دس ہزار اور جرمنی میں دس ہزار ہے، یہی صورت حال سعودی عرب کو چھوڑ کر تمام عرب ملکوں کی ہے، اقتصادی میدانوں میں ان ملکوں کی زرخیزی اور معدنی دولتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود یہاں کے باشندوں کا بال بال غیر ملکی قرضوں سے بندھا ہوا ہے، ان کو امریکہ اور مغربی ملکوں سے سالانہ امداد اس طرح ملتی ہے جس طرح ماہانہ تنخواہ، اس امداد کو ملک کی ترقی وخوش حالی پر خرچ کرنے کے بجائے وزارت داخلہ پر خرچ کیا جاتا ہے جس کے بجٹ کا نوے فیصدی حصہ دین کے خلاف جنگ پر صرف کیا جاتا ہے، کمال اور اس کے جانشینوں کی پالیسی کی بنا پر ترکوں کی بھی بڑی تعداد نے جرمنی کا رخ کیا جو ان کا جنگ عظیم میں حلیف رہ چکا تھا، اس طرح عالم اسلام کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، اور قریب تھا کہ خود اپنے فرزندوں کے ہاتھوں وہ زندہ درگور ہوجائے، لیکن اقبال کی پیشینگوئی کے مطابق خون صد ہزار انجم کے بعد طلوع سحر کے آثار بھی سب سے پہلے ترکی میں نمودار ہوئے اس طور پر کہ پورے ترکی میں پھیلے ہوئے نقشبندی خانقاہوں نے دینی تعلیم وتربیت کا سلسلہ بڑی خاموشی سے جاری رکھا، ۱۹۵۰ء میں عصمت انونو (صدر) نے عوام کے شدید مطالبہ کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے حزب مخالف کے قیام کی اجازت دیدی، چنانچہ جب آزادانہ انتخابات کے بعد عدنان مندریس وزیر اعظم ہوئے تو انہوں نے انتخابی وعدہ پورا کرتے ہوئے عربی میں اذان کی اجازت دیدی، کہا

جاتا ہے کہ جب ترکی میں ۲۵ سال کے بعد عربی میں اذان ہوئی تو لوگ جہاں تھے وہیں سجدے میں گر گئے، ہزاروں جانور صدقے میں قربان کیے گئے، عدنان ہی کے دور میں حفظ قرآن کے مکاتب کے ساتھ مساجد کے لیے ائمہ اور خطباء کی تیاری کے مقصد سے کلیۃ الالٰہیات قائم کئے گئے اس کے ساتھ یہ قانون بھی منظور کیا گیا کہ کلیۃ الالٰہیات کے فارغین عصری درسگاہوں میں داخل ہو سکتے ہیں اس طرح ترکوں کے لیے دین میں داخل ہونے کے دروازے کھولدیئے گئے، اگرچہ ۱۹۶۰ء میں عدنان مندریس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور سیکولر دستور کے خلاف بغاوت کے الزام میں ان کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا لیکن دین کی طرف واپسی کا جو عمل شروع ہو چکا تھا وہ رکا نہیں، ۱۹۵۰ء میں جو بچے حفظ قرآن اور امامت وخطابت کے راستے عصری دانشگاہوں میں داخل ہوئے وہ ستر کی دہائی میں انجینئر، ڈاکٹر، سائنسداں، ماہر معاشیات وسیاسیات بن کر سامنے آئے، اور انہوں نے ترکی کے معاشرہ میں اپنی شناخت ایک متحرک، سرگرم اور باعمل وباکردار انسان کی طرح جگہ بنائی، سب سے پہلے ۱۹۶۹ء میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے "**حزب السلامة الوطنی**" قائم کی جو ۱۹۷۱ء میں عملی سرگرمیوں میں داخل ہوئی لیکن ترک فوج نے اس پر پابندی عائد کردی، اس کے بعد ہی دوسری جماعت "**حزب الرفاہ**" کے نام سے اربکان نے قائم کردی اور اس کی مرکزی کمیٹی میں رجب الطیب اردوغان کو لیا جو حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر معاشیات اور یونیورسٹی کے فارغ تھے، انہوں نے ترک نوجوانوں کی طرف توجہ کی خصوصاً استنبول کو انہوں نے اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا، ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخابات میں پورے ترکی میں رفاہ پارٹی کو اکثریت ملی، خود استنبول میں اردوغان نے میئر کا عہدہ سنبھالا، انہوں نے جس مخلصانہ جذبے سے کام کیا تھا اس نے انہیں پارلیمنٹ کا ممبر اور آخر میں وزارت عظمٰی کے عہدہ پر پہونچا دیا۔

۱۹۷۰ء کے بعد بڑے پیمانے پر اسلامی دنیا کے ممتاز مفکرین اور داعیوں کی کتابوں کے ترجمے ترکی زبان میں کئے گئے، جنہوں نے ترکی کی نئی نسل کی ذہن سازی اور سیرت وکردار کی تشکیل میں بڑا بنیادی کردار ادا کیا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید قطب شہید، محمد قطب، محمد الغزالی، اور یوسف القرضاوی کی تصنیفات کا بڑا حصہ ترکی میں منتقل ہوا، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ دعوت وعزیمت اور انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، بچوں کی قصص النبیین تو نصاب میں داخل ہوئی۔

ترکی کی دینی بیداری میں بدیع الزماں نورسی کے معتقدین کا بھی زبردست کردار ہے جو ناقابل فراموش ہے، نورسی کے زیادہ تر ماننے والے جدید تعلیم یافتہ اور تاجروں کا حلقہ تھا، جنہوں نے اسلامی اصول تجارت کے مطابق اپنی آمدنی کا بڑا حصہ حفظ قرآن اور کلیۃ الالٰہیات کے فارغ ہونے والے طلبہ وطالبات کی اعلیٰ تعلیم اور تجارتی میدانوں میں ان کی مدد اور یتیموں، بیواؤں کی خبر گیری اور تحفیظ قرآن کے اداروں کے قیام اور دینی لٹریچر کی اشاعت پر بڑے منصوبہ بند طریقے سے خرچ کیا، ترکی کے بڑے شہروں میں ایسے ہوسٹل قائم کئے جہاں ان طلبہ کو برائے نام اور بغیر فیس کے قیام کی سہولت کے ساتھ ان کی تعلیمی ترقی اور دینی تربیت کا اہتمام کیا جاتا تھا، خاصی تعداد کو بیرون ملک بھی تعلیمی میدانوں میں تخصص کے لیے بھیجا گیا، یہی لوگ حزب السلامۃ الوطنی، حزب الرفاہ اور جسٹس پارٹی کے لیے قوت بازو ثابت ہوئے، نجم الدین اربکان نے جرمنی میں فوجی اسلحہ سازی کے میدان میں تخصص کیا تھا، انہوں نے ترکی میں فوجی ضرورت کی تکمیل کے لیے کارخانے قائم کئے، نورسی کی جماعت نے ٹی وی کے چینل بھی اخلاقی بنیادوں پر قائم کئے اور اخبارات ورسائل نکالے تاکہ میڈیا کے ذریعہ ذہن سازی ہو، یہ پروگرام اتنے کامیاب ہیں کہ تجارتی بنیادوں پر بھی وہ کامیاب ہو رہے ہیں اور جرمنی کے علاوہ ترکستان کے علاقوں میں بھی ان کے ذریعہ دینی شعور کی بیداری کا کام لیا جارہا ہے۔

رجب الطیب نے ۲۰۰۲ء میں وزارت سنبھالتے ہی اکثریت کی بنا پر مندرجہ ذیل اقدامات بغیر کسی شہرت وپروپیگنڈے کے کر ڈالے۔

☆ سب سے پہلے انہوں نے ترکی سکہ کی حالت بہتر بنائی، افراط زر پر قابو پانے کے لیے کئی اہم اقدامات کئے، سابقہ حکومتوں نے سرکاری خریداری میں کمیشن کھانے والوں اور رشوت لینے والوں کی ایک بھیڑ اکٹھی کرلی تھی، اردوغان نے ان سب کا خاتمہ کردیا، بڑے بڑے مافیا پر مقدمہ چلا کر جیلوں میں بند کیا اور ان پر حکومت کے کروڑوں ڈالر واجب الادا بقایا وصول کئے، فوجی ساز وسامان کی خریداری میں بڑے بڑے جنرل اور کرنل ملوث تھے، ان کو اس میدان سے نکال باہر کیا، یہودی میڈیا اور ان کے ماتحت اخبارات کو جو مالی مدد حکومت کی طرف سے دی جارہی تھی اس پر پابندی لگادی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے بڑے بڑے اخبارات بند ہو گئے، اس طرح اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ بڑی حد تک کم ہو گیا۔

☆ دوسرا بڑا قدم یہ اٹھایا کہ ترکی کی سلامتی کونسل کے لامحدود اختیارات کو پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون بنا کر کم کیا، کہ اس سے پہلے اس کونسل میں فوج کے تینوں بازوؤں کی اکثریت تھی، جس کی بناء پر فوج کی تلوار ہر وقت سیاستدانوں پر لٹکتی رہتی تھی، ترکی صدر نجدت سیزر اور مسلح افواج کے کمانڈر کی مخالفت کے باوجود پارلیمنٹ نے سیاسی جماعتوں اور شہریوں کی [illegible] دی، اس طرح زہریلے سانپ کے دانت نکال دیئے تاکہ ترکی عوام کو فوج کے ظلم وقہر سے نجات ملے۔



☆ تیسرا بڑا قدم یہ اٹھایا کہ حکومت کے اخراجات نصف سے بھی کم کردیئے، وزراء اور سرکاری افسران کے لیے جو گاڑیاں اور ڈرائیور مخصوص تھے وہ سہولت ختم کر کے ایک کروڑ ڈالر سالانہ کی بچت کی، ہر وزیر اور سرکاری افسر کے لیے لازم کردیا کہ وہ اپنی گاڑی سے دفتر آئے، مواصلات کے نام سے اسکوالاؤنس دیدیا جائے گا۔

☆ چوتھا قدم رجب الطیب نے یہ اٹھایا کہ عالم عربی کا دورہ کر کے وہاں کے سرمایہ کاروں کو ترکی آنے کی دعوت دی، چنانچہ ترکی میں جرمنی میں مقیم ترکوں اور عالم عربی کے تاجروں نے بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی، اس لیے ترکی سکہ کی قیمت بڑھ گئی، سونے کے زرمبادلہ میں اضافہ ہوا، سعودی عرب، کویت، عرب امارات اور لیبیا میں ترکوں کو تعمیراتی ٹھیکے ملے، ماہرین معاشیات نے لکھا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی بار ترکی نے معیشت کے میدان میں سالانہ سات فیصدی کی رفتار سے ترقی کی ہے، صرف حلال غذائی پیکٹ کی تجارت سے ترکی کو ایک سال کے اندر آٹھ کروڑ ڈالر کا فائدہ ہوا۔

ترکی کو پہلی بار عرب لیگ میں آبزرور کی حیثیت سے جگہ ملی، اس سے پہلے او آئی سی تنظیم میں اس کا نمائندہ جنرل سکریٹری کے منصب پر آچکا تھا۔

☆ کردوں کا مسئلہ تمام حکومتوں کے لیے دردسر رہا، رجب الطیب نے کردوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ ان کے بہت سے مطالبات تسلیم کرلئے، ان کے علاقوں میں بنیادی سہولتیں فراہم کیں، انتخابات میں کردوں کو میں نشستیں ملیں، انہوں نے جسٹس پارٹی کے ساتھ معاہدہ کر کے کابینہ میں شمولیت اختیار کرلی جو نادر بات ہے اس کے بڑے گہرے اثرات ہوں گے۔

☆ رجب الطیب نے امریکہ اور اسرائیل کی اندھی پیروی سے امکانی حد تک گریز کیا، عراق پر امریکی یورش کے آغاز میں امریکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ ترکی کی سرزمین کو فوج اور اسلحہ کی منتقلی کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی جائے اس کے بدلے دو سو ملین ڈالر ملیں گے، ترک پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر یہ مطالبہ مسترد کردیا۔

☆ سابقہ حکومتوں نے اسرائیل کو بہت ساری سہولتیں دے رکھی تھیں، ایک بنیادی سہولت اخبارات نکالنے کی بھی تھی حکومت کی طرف سے لاکھوں ڈالر کے اشتہارات دیئے جاتے تھے، رجب نے یہ سارے اشتہارات بند کردیے دوسری طرف فحاشی وبے حیائی پھیلانے والے اخبارات ورسائل پر پابندی لگادی، اس کی وجہ سے یہودی میڈیا کے اثرات کمزور پڑ گئے، سرکاری اشتہارات نہ ملنے سے بعض اہم رسائل اور اخبارات بند ہو گئے۔

☆ سب سے بڑا نازک مسئلہ رجب کے لیے سیکولرازم کی تعبیر وتشریح اور اس کی تطبیق کا تھا، انہوں نے اپنے سرکاری اور عوامی بیانات میں اس بات پر زور دیا کہ سیکولرازم کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر فرد کو اپنے دین اور مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ملے، ہم اس روح کو پورے ملک میں جاری وساری کرنا چاہتے ہیں، مغربی طبقے جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے سیکولرازم کو ڈھال بناتے رہے، ان پر برابر تنقید کرتے رہتے ہیں کہ ان کی بیوی اور بیٹیاں ہمیشہ سر پر اسکارف باندھتی ہیں، فوج کی طرف سے اس معاملہ میں اتنی سختی تھی کہ تعلیمی اداروں میں بھی اسکارف پہن کر آنے سے روک دیا گیا، رجب نے اس کو مسئلہ بنا کر جنگ سے گریز کیا، انہوں نے خاموشی سے تعلیمی اداروں اور عدالتوں کو ملحد وبے دین عناصر سے آہستہ آہستہ پاک کرنا شروع کردیا اس میدان میں انہوں نے اچھی خاصی پیش رفت کی ہے۔

تازہ انتخابی نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے مغربی ذرائع ابلاغ نے لکھا ہے کہ مسلسل دوسری بار اکثریت کے ساتھ انتخابات میں کامیابی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ترکی کے لوگوں نے کمال اتاترک کے راستے پر گامزن ہونے سے انکار کردیا ہے، وہ اپنے شاندار ماضی کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں، کیا واقعی اقبال کے الفاظ میں کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہونے والی ہے؟

عالمی سطح پر مسلمانوں کو جس طرح دہشت گردی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی جارہی ہے ان پر مایوسی چھارہی ہے، منصوبہ بند طریقے سے نفسیاتی اور ذہنی کرب میں ان کو مبتلا کیا جارہا ہے دوسری طرف خود اسلامی دنیا کی اندرونی صورت حال نے بڑے سانحہ کی صورت اختیار کرلی ہے، ترکی کے تازہ انتخابات نے امید کی کرن اور یاسیاں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی کا کام دیا ہے، امید ہے کہ ترکی کو جس طرح اسلامی دنیا کے قائدین نے مغربیت میں نمونہ بنایا تھا اسی طرح اب اسلامیت میں ان کو نمونہ بنانے کی کوشش کریں گے۔

وماذلك على الله بعزيز

☆☆☆☆☆

# آیاتِ قرآنی کے اعجاز کے چند نمونے

## ایک لغوی جائزہ

تحریر..... دکتور عودہ خلیل الرحمٰن ابوعودہ

﴿سیجعل لھم الرحمن ودّا﴾ (سورۂ مریم:۹۶)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے جس محبوبیت کا وعدہ فرمایا ہے وہ ہے ''ودّ''۔ محبت ومحبوبیت کے جتنے درجات ہوسکتے ہیں ان میں سب سے اعلیٰ وارفع درجہ ''ودّ'' کا ہے، لغت کی کتابوں نے تو اس کو تمناؤں کے درجہ تک پہنچا دیا ہے، اس کا فعل آتا ہے: ''ودّ الشیٔ یوددہ (یَوَدُّہ) وُدّاً ووِدّاً وَوِدَاداً ومَوَدَّۃً یعنی آدمی کسی سے ایسی محبت کرے کہ اس سے زیادہ کی پھر گنجائش نہ ہو۔

''ودّ'' کا مرحلہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جو انسان کے احساسات تک کو اپنا اسیر بناتا ہے اور اس کے افکار پر بھی غالب اور حاوی ہوجاتا ہے، ''حبّ'' اس راہ کا پہلا قدم اور اس کا پہلا زینہ ہے۔ ''حب'' کے ابتدائی مرحلہ اور ''ودّ'' کے انتہائی مرحلہ کے بیچ محبت کے جذبات اور احساسات کے لیے عربوں نے بہت سے درجات رکھے ہیں، چنانچہ عربی زبان میں ''حبّ'' (محبت) کا پہلا درجہ ''الھویٰ'' ہے، جس میں انسان کے اندر اپنے نفس کی طرف کچھ رجحان اور اپنی ذات کی طرف کچھ میلان پایا جاتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ﴾ (النجم: ۳-۴) ''اور نہ وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے''۔

اس کے بعد محبت کا جو مرحلہ آتا ہے اس کے لیے عربی میں لفظ ''العلاقۃ'' آتا ہے، یہ وہ محبت ہوتی ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے، اس پر اعشیٰ کا شعر ہے۔

عُلِّقتھا عرضاً، وعلّقت رجلاً
غیری وعُلِّقَ أخری غیرھا الرجل

ترجمہ: ''میرا دل اس کی محبت میں اٹکا ہوا ہے اور وہ میرے علاوہ کسی اور کی محبت میں پھنسی ہوئی ہے، لیکن وہ شخص پھر میری محبوبہ کے علاوہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہے''۔

پھر جب محبت کی آنچ اور تیز ہوتی ہے تو اسے ''الکلف'' کہا جاتا ہے، پھر جب جذبۂ محبت کو اور مہمیز کیا جاتا ہے اور وہ تمام حدوں کو پار کر جاتا ہے تو اسے ''العشق'' کا نام دیا جاتا ہے، پھر جب کاروانِ محبت راہِ محبت کی کچھ اور منزلیں طے کرتا ہے تو وہ مقام آتا ہے جسے ''الشغف'' کہتے ہیں جس میں محبت کرنے والے کے دل کو ایسی سوزشِ عشق کا سامنا ہوتا ہے جس میں اسے لذت اور تسکین بھی ملتی ہے، اس مرحلہ کو ''شغف'' کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں محبت ''شغاف قلب'' تک پہنچتی ہے ''شغاف'' اس جھلی کو کہتے ہیں جس میں دل لپٹا ہوا ہے، حسن یوسف پر فریفتہ ہونے والی ''امرأت العزیز'' کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ﴿وقال نسوۃ فی المدینۃ امرأت العزیز تراود فتٰھا عن نفسہ قد شغفھا حباً﴾ (یوسف/۳۰) اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے''۔

پھر جب محبت اور انگڑائی لیتی ہے تو اسے ''الجویٰ'' کا نام دیا جاتا ہے، یہ وہ اندرونی محبت ہوتی ہے جس کی موجیں پرسکون رہتی ہیں، متنبی کا شعر ہے:

مالنا، کلنا جوٍ یا رسول
أنا أھوی وقلبک المتبول

''اے نامہ بر! ہم دونوں ہی کے دل سوزِ عشق کا شکار ہیں، مجھے بھی تم سے محبت ہے اور تمہارا دل بھی بیمارِ عشق ہے''۔

پھر جب محبت کا سمندر طوفان سے آشنا ہوتا ہے اور اس کی موجیں تلاطم خیز ہوتی ہیں تو اسے ''التیم'' کہا جاتا ہے، اسی بنا پر عربوں نے اپنی بعض اولاد کا نام ''تیم اللہ'' رکھا تھا، اور محبت کے اس مرحلہ تک پہنچے ہوئے انسان کو ''رجل متیم'' کہتے ہیں، پھر جب محبت کا حدی خواں اپنی لے اور بڑھاتا ہے تو اس سے جو نغمہ وجود میں آتا ہے وہ ہے ''التبل''، ''تیم'' کے بعد کے مرحلے کو عربی میں ''تبل'' کہا جاتا ہے، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب عشق ومحبت انسان کو بیمار کردے، کعب بن زہیر کا شعر اسی کی ترجمانی کرتا ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

ترجمہ: ''سعادؔ جدا ہوگئی، میرا دل آج مریضِ محبت ہے اور اسکے پیچھے ایسا گرفتار ہے جس کے پیروں میں بیڑی ڈالدی گئی ہے اور اس کو رہا کرانے کی خاطر فدیہ بھی نہیں دیا گیا۔

پھر فارسِ شوق ایڑ لگا کر محبت کو جس مرحلہ تک



پہنچاتا ہے وہ ہے ''الدلیٰ'' یا ''الدلۃ'' یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب محبت کی وجہ سے انسان کی عقل زائل ہوجائے، حارث بن حلزہ نے کہا ہے:

لاأری من عھدت فیھا فأبکی
الیوم دلھاً وما یردّ البکاء

ترجمہ: ''جن سے میں نے پیمانِ وفا کیے تھے آج وہ صورتیں مجھے نظر نہیں آرہی ہیں، تو میرے آنسو ہیں کہ وارفتگی کی بنیاد پر تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں لیکن رونے سے کیا حاصل!!

پھر محبت کا وہ درجہ آتا ہے جس میں محبت کے غلبے کی بنیاد پر انسان کے ہوش وحواس ہی رخصت ہوجاتے ہیں، اسے ''ھیام'' کہتے ہیں، چنانچہ احوص کہتا ہے:

أھیم بدعد ماحییت فان أمت
فواحزناً من ذا یھیم بھا بعدی

ترجمہ: جب تک میری سانسیں ہیں میں دعد کا دیوانہ رہوں گا اور اگر میں مرجاؤں تو پھر افسوس! کون ہے میرے بعد اس پر مرنے والا؟

پھر کشتیِ محبت آخر میں جس ساحل سے آشنا ہوتی ہے اور وہی اس کی آخری منزل ہے وہ ہے ''ودّ''، یہ محبت کے درجات میں سب سے اعلیٰ وارفع درجہ ہے، یہ وہ پاکیزہ محبت ہوتی ہے جو انسان کا دوسروں سے راستہ استوار کرتی ہے، یہ انتہائی اعلیٰ مقام ہے جس کی طرف وہی بڑھ سکتا ہے اور وہی پرواز کرسکتا ہے جس کے احساسات اور عقل میں بلند پروازی ہو، جس کی عبادت پاکیزہ ہو، جو راہِ راست کے مطابق اپنے رب کی بندگی اور اطاعت کرے اور علم وبصیرت کی روشنی میں اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کرے، جسے پوری طرح اپنے رب کی معرفت حاصل ہو، حق تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی راہ میں اس کے احساسات وجذبات کی پرواز بھی اونچی ہو اور بندگی کا مزا بھی اس نے چکھا ہو اور جس نے یہ مزہ چکھ لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، اسی کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں یہی تمنا موجزن ہو اور اس کے سر میں یہی سودا سمایا ہو کہ اس بلند اور عظیم درجہ اور اعلیٰ وارفع مقام پر وہ ہمیشہ فائز رہے، اسی وجہ سے اہلِ ایمان میں سے اپنے خاص اور محبوب بندوں کے بارے میں حق تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انہیں ''ودّ'' کا یہ مقام حاصل ہوگا، ارشاد ہے ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودّا﴾ (مریم/۹۶) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا کردے گا''۔

اور خود اپنے متعلق اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ذات ''ودود'' ہے (خود بھی ''ودّ'' سے بھرپور اور دوسروں کو بھی ''ودّ'' عطا کرنے والی) ارشاد ہے: ﴿واستغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ان ربی رحیم ودود﴾ (ھود/۹۰) اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بے شک میرا پروردگار بڑا رحم والا اور بے پناہ محبت والا ہے''۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿وانہ ھو یبدئ ویعید وھو الغفور الودود﴾ (البروج/۱۴-۱۵) ''وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا اور وہی بڑا بخشنے والا اور بڑی محبت کرنے والا ہے''۔

اور اسی لیے ''مودّت'' وہ عظیم دولت ہے جس سے اللہ عزوجل خوش قسمت مومن جوڑے کو نوازنا چاہتا ہے، اگر میاں بیوی شریعت کے رہنما خطوط کو سامنے رکھ کر زندگی کی راہوں میں چلیں تو یہ وعدہ ہے ربِّ ذوالجلال کا کہ وہ دونوں میں الفت کے بیج بوئے گا اور مہر ومودّت کی بنیادیں مستحکم فرمائے گا اور اس نے خود بتایا ہے کہ یہ ''مودّت'' اس کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، حق تعالیٰ کا اپنی قدرت کی نشانیوں اور اپنی ربوبیت کے جلووں کے تحت اس کو شمار کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ الٰہی نعمت کیسی عظمت کی حامل ہے، اور اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ''مودّت'' ورحمت'' کوئی آسان اور ہاتھ لگتی چیز نہیں ہے کہ سہولت کے ساتھ اس تک رسائی ہوجائے بلکہ اس کے حصول کے لیے توفیقِ خداوندی اور مشیتِ ایزدی کی ضرورت ہے، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کے حصول میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے اور یہ اسی کے ہاتھ آتی ہیں جو ان کا متلاشی ہو، ان کی جستجو میں سرگرم ہو، اور ان تک رسائی کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے اور اعمالِ صالحہ کی راہ میں تگ ودو کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ﴿ومن آیاتہ أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون﴾ (الروم/۲۱) ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو، اور اس نے تمہارے بیچ پیار ومحبت اور مہربانی رکھی، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فکر سے کام لیتے ہیں''۔

اور ''مودّت'' ہی وہ مقام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے حق میں اس کا خیال اور لحاظ رکھنے کا قرآن میں واسطہ دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے ﴿قل لا أسئلکم علیہ أجراً الا المودۃ فی القربیٰ﴾ (الشوریٰ/۲۳) ''یہ کہدو کہ میں اس کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت کا تو خیال رکھنا چاہئے)۔

(ترجمہ: محمد سمعان خلیفہ ندوی)

فکر و نظر

# انسانی قدروں کے بدلتے پیمانے

از ..... مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مغربی تہذیب سے متاثر اہل قلم موجودہ عہد کے متعلق تعریف کرتے ہوئے جو باتیں بڑی قوت سے کہتے ہیں ان میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ یہ عہد آزادیٔ رائے، مساوات اور علم میں مسلسل اضافہ اور اس کے نتائج سے پوری انسانیت کو مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرنے میں رواداری کا عہد ہے اور اس سے پہلے کا عہد جسے وہ قرونِ وسطیٰ کا عہد کہتے ہیں ظلم و استبداد، انسانی آزادی پر پابندی، قتل و غارت گری، جہالت و کشمکش اور جنگوں کا عہد تھا، یہ بات اگر یورپ کی تاریخ کے پس منظر میں کہی جائے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، اس لیے کہ یورپ اس عہد میں واقعی ایسی ہی صورت حال میں مبتلا تھا، وہاں جہالت بھی تھی، ہٹ دھرمی بھی تھی، اور جنگیں بھی زوروں پر تھیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گزشتہ زمانہ شخصی وخاندانی حکومت کا زمانہ تھا، اس میں موجودہ عہد کی اصطلاحی جمہوریت کا تصور نہیں تھا، علم اور مال کے حصول اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کے مواقع ہر شخص کے لیے اس قدر سہل نہ تھے جتنے آج کے دور میں ہیں، موجودہ زمانہ میں علمی مراکز کا قیام، ذرائع ابلاغ، مالی تعاون کے ادارے، علمی و فنی مہارت حاصل کرنے کی سہولتیں اور علم و اقتصادیات میں ترقی کے امکانات پہلے سے زیادہ ہیں، شخصی آزادی کا ذکر بھی موجودہ عہد میں پہلے سے زیادہ کیا جاتا ہے، بلکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں، لیکن حالات کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو وہ تمام خرابیاں جو پہلے پائی جاتی تھیں، اس زمانہ میں مختلف شکلوں اور مختلف ناموں سے پائی جارہی ہیں، ان کے نام مختلف ہوسکتے ہیں، اور ان کے انجام دینے کا طرز مختلف ہوسکتا ہے، ان کی مثالیں بغیر کسی بڑی کاوش کے ہر شخص کو مل جائیں گی۔

حریت، مساوات، انسانی شرافت اور اسکے حقوق کے احترام کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حقوق انسانی اور امنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹوں کا مطالعہ کافی ہوگا جو اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں، جبر و قہر چاہے حکومتی سطح کا ہو یا شخصی سطح کا، اس کی تفصیلات اخبارات سے معلوم ہوتی رہتی ہیں، جو ظلم و ستم، حقوق کی پامالی اور انسان کو اذیت پہنچانے کے واقعات سے پُر ہیں، قوم یا نسل یا عقیدہ اور طرزِ معیشت اور سیاسی فکر کے اختلاف کی وجہ سے، جنگ و جدال، قتل و غارت گری اور قساوتِ قلبی کا معاملہ موجودہ زمانہ میں دنیا کے مختلف علاقوں میں نظر آئے گا، جس میں چھوٹی اور بڑی تمام حکومتیں ملوث ہیں۔

اسی طرح طاقتور ممالک کے ذریعہ کمزور ممالک کا استحصال اور انکے اندرونی معاملات میں مداخلت، اپنی ثقافت اور تصوراتِ زندگی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ان کی آزادی کو سلب کرنے کی تدبیریں، اختلافِ رائے اور سیاسی مقاصد کے لیے قتل، عسکری حملہ اور سیاسی تدابیر سے یہ دور خالی نہیں ہے، سیاست میں مکر و فریب، غیر انسانی وسائل کا استعمال، ابلاغ کے وسائل میں دروغ گوئی اور غلط بیانی، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح ثابت کرنے کا رجحان اس وقت جتنا پایا جاتا ہے اس کے موجودہ دور کی ترقی کو سلبی رخ پر ڈال دیا ہے، اصحاب اقتدار اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے باصلاحیت لوگوں کے خلاف ظالمانہ رویہ اختیار کرکے ملک کو علمی اور فکری صلاحیتوں سے محروم کرتے ہیں، یا مختلف فرضی الزامات لگا کر ان کو قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں، اذیت پہنچانے کے لیے ایسے وسائل اختیار کیے جاتے ہیں جن کا تصور بھی ماضی میں مشکل تھا، قیدیوں کو تکلیف دینے، اور جبراً اقبال جرم کرانے کے لیے اذیت پہنچانے کے جدید ترین وسائل پائے جاتے ہیں اور اسکی تعلیم کے لیے ادارے قائم ہیں، اس کی نمایاں مثال گوانتانا موبے اور ابوغریب ہے، اور اس کی مثالیں تقریباً ہر ملک میں مختلف شکلوں میں ملتی ہیں، اس کی بدترین شکل محض شبہ پر مارڈالنا یا بغیر مقدمہ کے قید و بند میں رکھنا ہے، جو ہر ملک میں رائج ہے۔

جنگ و جدال کے مواقع قدیم زمانوں میں پیش آتے تھے، لیکن ان کے نقصانات محدود تھے، اور ان کے اصول بھی متعین تھے، پناہ گزینوں کے کیمپوں پر حملہ، گھروں میں سوتے اور نہتے انسانوں کا قتل، لاتعداد معصوم بلکہ شیر خوار بچوں کی ہلاکت، کارخانوں اور دفتروں، مساجد اور عبادت گاہوں



کو نذرِ آتش کرنا، مقدسات کی اہانت، عقیدہ اور نظریے میں اختلاف پر امتیاز برتنا اور رنگ و نسل کی بنیاد پر تمیز کرنا، اس زمانہ میں اس قدر عام نہ تھا جتنا کہ آج ہے، جن کی مثالیں ان ترقی یافتہ حکومتوں میں بھی وسیع شکل میں ملتی ہیں جو حریت اور مساوات کا دعویٰ کرتی ہیں اور عہد قدیم کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی ہیں۔

آج دنیا میں جتنی بھی جنگیں اور تشدد کے واقعات ہورہے ہیں، وہ سب کے سب یورپین اداروں کے اشاروں اور ان کی تائید سے ہورہے ہیں، امریکہ دنیا کی اکثر مسلح تحریکوں میں ملوث ہے، مختلف ممالک کی علاحدگی پسند تحریکوں اور سیاسی کشمکش میں اس کے اداروں کا حصہ ہوتا ہے، یہی کردار روس نے اپنے عہد اقتدار میں زیر اثر ملکوں میں ادا کیا، اس نے صرف سیاسی غلبہ کی کوشش نہیں کی، بلکہ ثقافتی، فکری اور سماجی شعبوں کو اپنے تصور کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، اور اس کی مخالفت کو خیانت اور غداری قرار دیا۔

الجزائر میں فرانس نے، طرابلس میں اٹلی نے، کمیونسٹ انقلاب کے وقت روس نے ویتنام اور کمپوڈیا میں اور افغانستان میں، اور امریکہ نے افغانستان اور آخر میں عراق میں جس ظلم اور انسانیت کشی کا مظاہرہ کیا اور اس کے نتیجہ میں جتنی بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں وہ تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتیں، اسرائیل کے سلسلہ میں یورپین ممالک اور امریکہ جو یک طرفہ رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے انسانی حقوق کی جو پامالی ہورہی ہے وہ بھی ایک زندہ مثال ہے، اس کی ایک مثال اسرائیل کی انسانی آبادی پر مسلسل بمباری، پناہ گزیں کیمپوں پر حملے، عراق میں مسلسل نسل کشی کو نظر انداز کرنا، سوڈان میں ایک علاقہ میں تشدد کے محدود واقعات پر پوری توجہ مرکوز کرنے کی خبریں مغربی سیاست کی جانب داری اور بے رحمانہ رخ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ منتخب حکومتوں کو تسلیم نہ کرکے جابر اور غاصب حکومتوں کو تسلیم کرکے ان کی مدد کرنے کی مثالیں اس دور میں عام ہیں۔

یہ چند کھلی مثالیں ہیں ان کے علاوہ پس پردہ جو کچھ ہورہا ہے اور ذرائع ابلاغ جس کی پردہ پوشی کررہے ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے جس کا عہد ماضی کے واقعات سے کوئی تناسب نہیں ہے، لیکن ان تمام جنگوں اور حقیقی آزادی کے خاتمہ کے باوجود اور جبر اُن نظاموں کے نافذ کرنے کے باوجود جس میں عوام کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، لاکھوں بے گناہوں کی ہلاکت، بے حیائی اور غیر اخلاقی رجحانات کی ترویج اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کے خلاف پرتشدد کارروائی، اقتصادی ناہمواری، اور غریب اور کمزور کے استحصال کے باوجود موجودہ تہذیب کی تقدیس و توصیف تہذیب وتمدن اور ترقی پسندی کی علامت تصور کی جاتی ہے اور یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ خیر و شر کے درمیان تمیز کی صلاحیت اور حریتِ فکر مفقود ہوچکی ہے یا مغرب کی ساحری نے آنکھوں پر پردہ ڈال دیے ہیں۔

☆☆☆☆☆

## استاذ دارالعلوم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی وفات

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب طویل علالت کے بعد ۲۸ر جولائی ۲۰۰۷ء کی شام کو اپنے وطن سلطان پور میں انتقال کر گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

دوسرے دن صبح کو دس بجے دارالعلوم کے استاذِ تفسیر و حدیث مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے نماز جنازہ پڑھائی، تدفین آبائی قبرستان میں ہوئی۔

مولانا مرحوم پر تفصیلی مضمون ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

☆☆☆☆☆

حاجی منت اللہ صاحب (آپر انڈیا ٹینری کانپور) سابق رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء کی صاحبزادی بی بی خالدہ اہلیہ رضوان اللہ صاحب کا طویل علالت کے بعد ۲۱ر جولائی کو انتقال ہوگیا، **انا للہ وانا الیہ راجعون**، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

# سب سے یقینی حقیقت کی طرف سے غفلت

از ..... شمس الحق ندوی

جب ہم اس کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر وجود میں عدم اور ہر عروج میں زوال کارفرما نظر آتا ہے، چیزیں بنتی سنورتی ہیں، پھر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں، شہر بستے اور آباد ہوتے ہیں پھر ویرانوں اور خرابا توں میں تبدیل ہوجاتے ہیں، رقص وسرور کی مجلسیں گرم ہوتی ہیں پھر ان پر خاموشی کی ایسی چادر ڈال دی جاتی ہے کہ پڑوسی اپنے پڑوسی کی آواز تک نہیں سنتا، فوجیں جاہ وجلال کے ساتھ بڑھتی اور برق وباد کی طرح اٹھتی ہیں پھر موت کی میٹھی نیند سوجاتی ہیں، فرعون ہو یا نمرود، ہامان وشداد ہوں یا دارا وسکندر، ہلاکو ہو یا چنگیز یا ان کے بعد آنے والے اس طرح کے لوگ سب کے سب لقمۂ اجل بن کر ہی رہے، جن کے شب وروز فقر وفاقہ میں گزرے، جسم سردی گرمی میں ننگے رہے وہ بھی، اور جو محلوں پر سوئے، عیش وعشرت میں رہے وہ بھی، ستاروں پر کمندیں ڈالدیں، چاند تک کی سیر کرآئے لیکن موت سے کوئی نہ بچ کر نکلتا ہے۔

ابرو باد پر قادر اس قدر مجبور
کہ ایک سانس کے لانے کا اختیار نہیں

اس آخری انجام سے بے فکری ہی انسان کو خدا کا نافرمان بناتی ہے اور ہر قسم کے گناہ وپاپ کو جائز کردیتی ہے، ایک مسلمان بے تکلف دوسرے کا حق مارتا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہوتا ہے، بیٹے ماں باپ تک کو خون کے آنسو رلاتے ہیں اور اسکا ذرا بھی خیال نہیں آتا کہ گزرنے والا لمحہ اس کو موت سے قریب اور حرص وہوس کی اس دنیا سے اس کو دور کررہا ہے وہ ہاتف غیبی کی اس آواز پر دھیان نہیں دیتا۔

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کدھر دیکھتا ہے کدھر جارہا ہے

اس لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ اس کو یاد کرو جو لذتوں کو ختم کردینے والی ہے، یعنی موت کو یاد کرکے اپنے عیش وطرب کو بے مزہ بناؤ، یہاں تک کہ اس کا خطرہ تم سے دور ہوجائے، یعنی آخرت کی پرسکون زندگی مل جائے اور اپنے خدا سے جاملو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے اور تمہیں اس کا علم ہوجائے، اگر یہ جانوروں کو معلوم ہوجائے تو تم کو کھانے کے لیے کوئی موٹا جانور نہ ملے، حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی کیا کوئی شہیدوں کے برابر بھی ہوسکتا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں جو دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہو، وہ شہیدوں کے برابر ہوگا کیونکہ اس کثرت سے موت کی یاد اس کو گناہوں سے بچائے گی اور آخرت کی تیاری کے لیے آمادہ رکھے گی، موت کی یاد سے غفلت دنیا کی خواہشات میں منہمک رکھتی ہے اور آخرت کی تیاری سے غافل رکھتی ہے۔

آپ نے ایک دوسری جگہ فرمایا: موت مومن کے حق میں تحفہ ہے کیوں کہ وہ مومن کو دنیا کے قید خانے سے نجات دلاتی ہے اس لیے کہ مومن دنیا میں نفس کو خواہشات سے روکنے میں بڑی الجھنوں سے دوچار ہوتا اور شیطان سے برابر برسرِ پیکار رہتا ہے، موت اس کو اس تکلیف سے نکال دیتی ہے، یہ آزادی اس کے حق میں تحفہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا موت مومن کے لیے کفارہ ہے، آپ کی مراد مسلم کامل سے ہے، فرمایا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ وزبان کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں، اس میں مسلمانوں کے تمام اخلاق حسنہ پائے جائیں اس کا کردار معاصی سے پراگندہ نہ ہو الا یہ کہ چھوٹے موٹے گناہ ہوں تو موت اس کو ان چھوٹے گناہوں سے پاک کردیتی ہے، کبیرہ گناہوں سے بچنے کے بعد چھوٹے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے۔

عطا خراسانی فرماتے ہیں ایک مجلس میں لوگ ہنسی ٹھٹھا کررہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا اپنی مجلسوں میں لذتوں کو مکدر کردینے والی کو یاد کرو، اہل مجلس نے سوال کیا اللہ کے نبی وہ کیا؟ فرمایا موت! حضرت انسؓ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا موت کو زیادہ یاد کرو وہ گناہوں کو مٹاتی اور دنیا سے بے رغبت بناتی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا موت کی یاد اور ندامت خود ایک وعظ ہے، ایک دن آپ مسجد میں تشریف لے گئے لوگ بیٹھے باتیں کررہے تھے ہنس رہے تھے، فرمایا موت کو یاد کرو خدا کی قسم اگر تم کو وہ معلوم ہوجائے جو مجھے معلوم ہے تو تم ہنسو کم رووٴ زیادہ۔

لوگوں نے حضور ﷺ کے پاس ایک شخص کی بڑی تعریف کی، آپ نے پوچھا موت کو بھی یاد کرتے ہیں ان لوگوں نے جواب دیا کہ کبھی سنا نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر وہ قابل تعریف نہیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا، ایک انصاری نے میری بڑی تعریف کی یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا موت کو یاد کرنے اور اس کے لیے تیاری کرنے والے زیادہ عقلمند ہیں، ایسے لوگ دنیا میں عزت کے ساتھ رہے آخرت کی سعادت کے ساتھ گئے، حضرت حسن فرماتے ہیں کہ موت نے دنیا کو رسوا کیا اس نے کسی صاحب عقل کے لیے کوئی خوشی کی چیز نہیں رکھی، ایک بزرگ نے اپنے دوست کو خط لکھا کہ اے میرے بھائی اس دنیا میں جانے سے پہلے جہاں تم موت کی تمنا کرو گے اس دنیا میں موت کے انجام سے ڈرو اور بچاؤ کی تدبیر کرو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہر رات علماء کو جمع کرکے موت وقیامت کا مذاکرہ کرتے اور اس طرح روتے کہ جیسے ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہو، ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے میری زندگی کو مکدر کردیا ہے،



موت اور اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جس نے موت کے انجام وعواقب کو سمجھ لیا دنیا کا غم اور مصیبتیں اس پر آسان ہوگئیں، مطرفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد بصرہ کے بیچ کوئی کہہ رہے موت کی یاد نے اللہ سے ڈرنے والوں کے دل پارہ پارہ کردیے، تم ان کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ جذب ومستی کے عالم میں ہیں، حضرت صفیہؒ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے عائشہؓ سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرو، تمہارا دل نرم پڑجائے گا، اس عورت نے تعمیل کی تو اس کا دل نرم پڑگیا اور وہ شکریہ ادا کرنے آئی، حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں کسی صاحب عقل سے ملا تو اس کو موت سے ڈرا ہوا اور غمگین پایا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی عالم سے کہا کہ مجھے نصیحت کرو تو انہوں نے فرمایا عمرؒ! حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک تمہارے باپ دادا میں کوئی ایسا نہیں جس نے موت کا مزہ نہ چکھا ہو اب تمہاری باری ہے، عمرؒ پر خوف وخشیت کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ رونے لگے۔

مظفر شاہ حلیم گجراتی کے متعلق مؤرخین کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں قبر تیار کرائی اس میں بیٹھے اور پھر اس کو سونے چاندی سے بھرا اور نکال کر خیرات کردیا اور دعا کی کہ اے اللہ یہ آخرت کی پہلی منزل ہے تو اسے آسان فرما، شیخ ابن مطرفؒ فرمایا کرتے تھے کہ موت نے خوش حالوں کی زندگی کو منغص اور بے مزہ کردیا ہے، اے بھائیو! تم ایسا عیش تلاش کرو جس میں موت نہ ہو، کوئی خوف وخطر نہ ہو، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا کہ موت کو یاد کرو اگر تم خوش حال ہوگے تو وہ اس کو تم پر تنگ کردے گی تنگ حال ہوگے تو وہ اس کو تم پر وسیع کردے گی، ابوسلیمان درانی کہتے ہیں کہ میں نے ہارون کی ماں سے پوچھا کہ تم موت کو پسند کرتی ہو تو بولیں کہ جب میں کسی انسان کی بات نہیں مانتی تو اس سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی تو موت کو کیسے پسند کروں، جب کہ اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہے، ابوسلمیٰ تیمی فرماتے ہیں کہ فرزدق کی بیوی کے جنازے میں علماء ومعززین بصرہ شریک تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے ابوفراس سے پوچھا کہ اس دن کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال سے اشھد ان لا الہ الا اللہ کی تیاری کی ہے۔

تدفین کے بعد فرزدق نے اپنی بیوی کی قبر پر کھڑے ہوکر اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اے اللہ! اگر آپ کی رحمتِ بے پایاں نے میرے گناہوں کو عفو ودرگزر نہ کیا تو قبر کی بھیانک گرمی اور تنگی میں مبتلا ہوجاؤں گا، میرے لیے وہ وقت بہت کٹھن ہوگا جب اپنی ڈیوٹی کے پابند فرشتے مجھے باندھ کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، وہ شخص بہت ہی ناکام ونامراد ہے جس کی گردن میں پھندا ڈال کر گھسیٹا جائے گا، اے لوگو! قبروں پر کھڑے ہوکر انکی ویرانی سے پوچھو کہ تم پر کیا بیت رہی ہے، کون کرب واذیت میں مبتلا ہے اور کس کو اس کی گھبراہٹ سے نجات ملی، امن وراحت نصیب ہوا اگر اس شہر خموشاں کے لوگ تم سے ملتے تو تمہیں اس عالم بے کسی کا پتہ دیتے، یہاں کی خطرناک منزلوں کی ہولناک خبر سناتے اور کامیاب وبامراد لوگوں کے عیش وراحت کی خبر سناتے

مگر ع

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

خدا کا مطیع وفرمانبردار بندہ باغ وبہار میں جاپہونچا اور خدا کا نافرمان بندہ ایسی بے چینی وبے قراری میں مبتلا ہے کہ چھن بھر کی راحت نہیں وہ اس ہیبت ناک گڑھے کے سانپوں، بچھوؤں کا شکار ہے، سانپ اور بچھو اس پر ٹوٹے پڑرہے ہیں، روح ان کے شدید ڈنکوں کے عذاب میں مبتلا آنکھ، ناک، ہاتھ، زبان ان میں سے ہر ایک سے ہونے والے گناہوں کے عذاب کی الگ الگ قسمیں ہیں، وہاں ایک قبر پر لکھا ہوا تھا۔

''اے غافل! تم کس کے لیے جمع کررہے ہو جب کہ تم کو مرنا اور تہہ خاک ہونا ہے''۔

ابن سماک فرماتے ہیں کہ میں ایک قبر کے پاس سے گزرا جس پر لکھا ہوا تھا کہ میرے اسباب، اعزہ میری قبر کے پاس سے اس بے التفاتی سے گزرجاتے ہیں، کہ جیسے مجھے جانتے ہی نہیں، ہائے ورثہ میرے مال کو بانٹ رہے ہیں، میرے قرضوں کی کوئی فکر نہیں کرتا، سب نے اپنے اپنے حصے لے لئے، ہائے اللہ یہ لوگ اتنی جلدی مجھے بھول گئے۔

ایک قبر پر لکھا ہوا تھا کہ اے لوگو! میں امیدوں اور تمناؤں میں الجھا رہا، موت نے سب کا خاتمہ کردیا اور تنگ وتاریک کوٹھری میں پہونچا دیا اور اپنے کرتوت پر مصائب وآلام سے دوچار ہوں، میری وصیت ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زندگی دی ہے وہ اعمال صالحہ کو قبر کا ساتھی بنائے، اللہ سے ڈرے اور اپنا حساب کتاب درست رکھے، اے خاموش قبروں کو دیکھنے والے میں اکیلا ہی یہاں نہیں آیا ہوں بلکہ ہر زندہ شخص اس عالم حسرت ویاس میں آنے والا ہے، یہاں کی بیکسی سے سبھی کو دوچار ہونا ہے، کسی نے میری تنہائی میں ساتھ نہ دیا۔

دفن کرکے عزیز سب چلے
بے کسی تربت پہ بل کھانے لگی

یہ یاد رہے کہ زندگی کے وہ تمام اسباب ووسائل جو شریعت کے حکم کے مطابق اپنائے اور حاصل کئے جائیں اور شریعت ہی کے حکم کے مطابق برتے اور خرچ کئے جائیں تو دین وعبادت ہیں اور خلاف ہوں تو دنیاداری اور عذاب ہیں، جس کو مولانا سید سلیمان ندویؒ نے خطبات مدراس کے آخری خطبہ میں زبان نبوت کی ترجمانی کرتے ہوئے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ''اس نے (پیغام محمدی) بتایا کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے، یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیاداری بھی دین داری ہے''۔

موت کی یاد اور قبر کی تنہائی کا تصور جس کا برابر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے ان اصولوں کو اپنانے کی قوت وطاقت پیدا کرتا ہے۔

☆☆☆

اظہارِ حق

# کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد "پہلی" جنگ آزادی تھی

از ..... مولانا سید محمد ولی رحمانی، سجادہ نشین خانقاہ رحمانی، مونگیر

مرکزی حکومت نے یہ مان لیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے پہلی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی، اس لیے پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ تقریبات منانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس مد میں قابل لحاظ رقم خاص کی گئی ہے، سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ یادگار تقریبات کا سلسلہ چل پڑا ہے، ان تقریبات میں کی جانے والی تقریروں سے یہی تأثر پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی پہلی جنگ آزادی کی مسلح کوشش ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے شروع ہوئی اور دہلی پر ختم ہوئی، جس کا پورے ملک پر اثر پڑا، جب کوئی بات چل پڑتی ہے اور اسے حکومت اور میڈیا کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو حقیقت پردہ میں چلی جاتی ہے اور "غلط" لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت بن جاتا ہے، ایک واقعہ سنئے!

۱۰ر مئی ۲۰۰۷ء کو پارلیمنٹ کے سنٹرل ہال میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی یادگار تقریب منائی جارہی تھی، اس تاریخی موقعہ پر صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے. پی. جے. عبدالکلام، وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، مسز سونیا گاندھی، چیرمین یو پی اے جزب مخالف کے سربراہ لال کرشن اڈوانی، مرکزی وزراء، لوک سبھا کے اسپیکر سومناتھ چٹرجی، ڈپٹی اسپیکر چرنجیت سنگھ اٹوال، ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا کے. رحمان خان اور تقریباً تمام ارکان پارلیمنٹ سنٹرل ہال میں موجود تھے، مسٹر بھیروں سنگھ شیخاوت نائب صدر جمہوریہ اور راجیہ سبھا کے چیرمین کی تقریر ہورہی تھی اور اس سے یہی تأثر ابھر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی ہوئی، ان کی تقریر کے دوران ڈپٹی اسپیکر مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال نے مداخلت کی، اور کہا کہ "۱۸۵۷ء سے پہلے ..... ہندستان میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، ان تقریبات میں اس تاریخی واقعہ کا ذکر ضروری ہے"۔ اکالی دل کے مسٹر رتن سنگھ اور مسٹر دیریندر سنگھ نے ان کی بھرپور تائید کی، اس مداخلت پر صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم سمیت پورا ہاؤس سناٹے میں آگیا، یہ وہ مرحلہ تھا جہاں نائب صدر جمہوریہ بھیروں سنگھ شیخاوت نہ تردید کرسکتے تھے نہ تائید۔

مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال ڈپٹی اسپیکر لوک سبھا نے سچائی کی ایک روشنی جلادی کہ آزادی کی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہوچکی تھی، وہ سکھ ہیں انہیں کم از کم اپنی تاریخ یاد ہے، انہوں نے اپنے علم کے مطابق بات کہدی، افسوس ہے کہ اس پڑھے لکھے بھرے پُرے ہاؤس میں ایک تاریخ داں ایسا نہ تھا جو اس غلط تاریخ سازی کا سمتِ قبلہ درست کرتا، اور چند جملے کہہ جاتا، ہوسکتا ہے کہ بعض دوسرے تاریخ داں بھی یہی مانتے ہوں کہ میرٹھ سے لے کر دہلی تک کی ۱۸۵۷ء میں کی گئی جدوجہد آزادی پہلی جنگ آزادی تھی، میرے علم میں سب سے پہلے یہ بات مسٹر سادر کرنے کہی تھی اور اس جنگ میں مسلمانوں کے رول کی تعریف کی تھی۔

سچائی یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو پہلی مسلح جنگ آزادی قرار دینا صحیح نہیں ہے، "یہ تاریخ کی سیاسی تصنیف" تو کہی جاسکتی ہے تاریخی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، انگریزوں سے باقاعدہ منظم جنگ علی وردی خاں نے بنگال میں ۱۷۵۲ء میں کی تھی، بعد میں اور بھی قابل ذکر تاریخ ساز جنگیں انگریزوں سے لڑی گئیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی میرٹھ سے نہیں کلکتہ سے شروع ہوئی تھی پھر میرٹھ پہونچی، یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج سے سب سے بڑی آخری منظم جنگ آزادی تھی۔

معتبر تاریخی کتابوں میں جدوجہد آزادی اور انگریزوں کو بھگانے کی مسلح جدوجہد کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، جسے صرف اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس جدوجہد کی قیادت مسلمان یا سکھ کررہے تھے، انگریزوں کے خلاف ملک کے مختلف حصوں میں بار بار مسلح جدوجہد کی گئی، ان مسلح کوششوں کا اثر تدریجاً پورے ملک پر پڑا، اور انگریزوں کو بحیثیت حاکم ملک سے نکالنے کا مزاج بنتا گیا، یہ کوششیں اس لیے کامیاب نہیں ہوسکیں کہ پورے ملک میں جذبۂ آزادی بیدار نہیں ہوا تھا، انگریز پلاننگ کے ساتھ اپنا دائرۂ حکومت بڑھا رہے تھے، اور آزادی کے لیے جان دینے والے پورے ملک میں منظم اور متحد نہیں تھے اور نوابوں اور راجاؤں کا دربار انگریزوں کی سازوں کے گھیرے میں آچکا تھا۔

کسی بھی جدوجہد کے لیے پہلے افراد کی ذہن سازی ضروری ہے، اور یہ کام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (ولادت ۱۷۰۳ء وفات ۱۷۶۲ء) نے ۱۷۳۱ء میں باقاعدہ شروع کیا، حضرت شاہ صاحب کی تحریریں محفوظ ہیں، آزادی ہند کے لیے انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط بھی لکھا، وہ مدرسہ رحیمیہ مہندیاں میں اور اپنے سلسلۂ درسِ قرآن میں آزادی کے لیے افراد سازی کا کام کرتے رہے، حضرت شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے شاگرد اور مرید برما سے لے کر عرب ممالک اور افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے، اندرونِ ملک علمائے کرام میں "آزادی کا حوصلہ" بلند ہوا، یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے عام ہندوستانیوں کے علاوہ کم از کم انیس (۱۹) ہزار علماء کو شہید کیا (بعض مؤرخین نے شہید علماء کی تعداد (۵۲) ہزار لکھی ہے)۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد ان کی درسگاہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے آباد رکھا، وہ درس وتدریس کے ساتھ وطن دوستی اور انگریز دشمنی کا مزاج بھی بناتے رہے، انگریزی حکومت کے خلاف انکا مشہور فتویٰ جہاد، تاریخ اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس فتویٰ کی مسجدوں کے ذریعہ بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی اور انگریزی حکومت کی غلط



کاری اور ملک پر اس کے نقصان دہ اثرات عوام پر واضح ہوئے، ۱۷۳۱ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال کا وقفہ ہے اس مدت اور اس میں کی گئی فکری اور عملی جدوجہد آزادی تاریخ کا حصہ نہ بنتی تو سچی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کا انقلابی اقدام نہیں ہوتا۔

علمائے کرام نے ہر جگہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس پیغام کا نوٹس لیا، اور ۱۷۳۵ء میں علمائے صادق پور نے جدوجہد شروع کی، ان علماء کے اثرات صرف بہار پر نہیں بلکہ پورے ملک پر تھے، جن سے کام لیا گیا، تاریخ کی کتابوں میں اسے "وہابی موومنٹ" سے یاد کیا جاتا ہے، علمائے صادق پور نے عوام وخواص میں آزادی کی روح پھونکنے میں بڑی مدد دی، علمائے صادق پور (پٹنہ) کی یہ جدوجہد سو سال تک جاری رہی، جب ۱۸۳۵ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ کو گرفتار کرکے کالا پانی (جزائر انڈمان) بھیجا گیا، ان کے مکانات اور قبرستان پر انگریزوں نے قبضہ کیا اور انہیں مٹا کر میونسپلٹی اور دوسرے دفاتر بنادئے، تو یہ مرکزِ جدوجہد کمزور پڑگیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے زیر اثر علماء نے پورے ملک میں آزادی کی جدوجہد شروع کردی، یہ تاریخ ہند کا گراں قدر حصہ ہے۔

انگریزوں نے اتر ہندوستان میں کلکتہ کو اپنا مرکز بنایا، تاکہ سمندری راستہ سے انہیں مدد ملتی رہے اور دہلی سے دورہ کرتدریجاً دہلی اور پورے ملک پر قبضہ کیا جائے، کلکتہ کا ڈائمنڈ ہاربر اور فورٹ ولیم انگریزوں کا مرکز تھا، سراج الدولہ کے نانا علی وردی خاں نے خطرہ محسوس کرلیا تھا، اور ۱۷۵۴ء میں فورٹ ولیم پر حملہ کرکے انگریزوں کو بھگادیا، انگریز ڈائمنڈ ہاربر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، اسے پہلی منظم اور مسلح جنگِ آزادی قرار دیا جاسکتا ہے، علی وردی خاں اس کے بعد زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے ورنہ آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

علی وردی خاں کے نواسہ نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے، آزادیِ وطن اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کے سلسلہ میں ان کا رویہ نانا جیسا تھا، سراج الدولہ نے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ انگریزوں کو شکست دینا چاہا، مگر ان کا دربار سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا، اور سلطنت کی ذمہ دار شخصیتیں اپنی قیمت لگوا چکی تھیں، اس لیے انہیں شکست ہوئی، اور ۱۷۵۷ء میں برٹش فوج نے ان کے دارالسلطنت مرشد آباد میں انہیں شہید کردیا۔

تاریخ کے صفحات میں بکسر کی جنگ (۱۷۶۴ء) کی تفصیل موجود ہے جس میں مغل فرماں روا شاہ عالم، نواب اودھ شجاع الدولہ اور میر قاسم کی فوج مشترکہ طور پر شریک تھے، یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوئی، میر قاسم نے مونگیر (بہار) کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، میر قاسم کا قلعہ آج بھی موجود ہے، انگریزوں نے مونگیر میں ان سے ۱۷۶۳ء میں ٹکر لی، ڈکرانہ پل توڑا گیا، اس کی شکستہ دیواریں اور بکھری اینٹیں آج بھی اس تاریخ کو یاد دلاتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ دس بارہ برسوں سے ان کے نام پر آباد محلہ قاسم بازار کو کرن بازار اور مغلوں کی فوج کی چھاؤنی مغل بازار کو منگل بازار کہنا شروع کیا گیا ہے۔

حافظ رحمت خاں شہید، نواب تھے، عالم اور حافظ تھے، انہوں نے علماء اور علاقائی حکمرانوں کو یکجا کرکے انگریزوں سے جنگ کرنا چاہی، حافظ صاحب کا سلسلۂ علم حضرت شاہ ولی اللہؒ سے جُڑا ہوا ہے، حافظ رحمت خاں شہید کی سربراہی میں انگریزوں سے جو جنگ ہونی تھی اس کا رخ انگریزوں نے نواب اودھ کی طرف پھیر دیا، اور نواب اودھ کی فوج کے ساتھ انگریز فوج نے حافظ صاحب سے جنگ کی، یہ فیصلہ کن جنگ ۱۷۷۴ء میں ہوئی جس میں حافظ صاحب اور ان کے رفقاء (جن میں ممتاز علماء شریک تھے) کی بڑی تعداد شہید ہوگئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی قاضی واجد رحمۃ اللہ علیہ کا بے نفس اور مجاہدانہ کردار بھی ہے جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہئے۔

۱۸۵۷ء سے بہت پہلے دکن کے فرماں روا حیدر علی (۱۷۸۲ء) اور انکے صاحبزادہ ٹیپو سلطان کے ذکر کے بغیر آزادیِ ہند کی کوئی تاریخ ادھوری ہوگی، جو مستقل انگریزوں کے لیے چیلنج بنے رہے، ٹیپو سلطان نے ہندوستان کے علاقائی فرماں رواؤں کو انگریزی حکومت کے خلاف منظم کرنا چاہا، اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوستان کے باہر بھی رابطہ قائم کیا، نظام حیدرآباد اور نواب بنگالہ کو بھی خطوط لکھے اور اپنے نمائندوں کے ذریعہ آنے والے دنوں کے خطرات اور انگریزوں کے ارادہ سے واقف کرایا، ساتھ ہی انہوں نے مشترکہ جدوجہد کی اپیل کی، مگر نوابوں کی وقتی مصلحتوں اور سرفروشی کے جذبہ کی کمی کی وجہ سے مشترکہ جدوجہد آزادی کی راہ نہیں بن سکی۔

ٹیپو سلطان نے ہمت نہیں ہاری اور وہ برٹش فوج سے پنجہ آزمائی کے لیے تیاری کرتے رہے، مگر ان کے ایک فوجی سردار کرشنا راؤ کی خود فروشی نے ٹیپو سلطان کو نقصان پہونچایا، اور سازشی ان کے امور سلطنت میں در آئے، ان کی فوج میں ہندو مسلمان شریک تھے، ٹیپو سلطان نے نامساعد حالات کو سمجھتے ہوئے ہی یہ کہا تھا کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی لومڑی کے سو سال سے بہتر ہے" انہوں نے انگریزوں سے جنگ کی اور ۱۷۹۹ء میں میدان جنگ میں شہید ہوئے، جب انگریزی جنرل کو انکی شہادت کا یقین ہوگیا تو جنرل بارس نے فخر کے ساتھ کہا تھا "اب ہندوستان ہمارا ہے"۔

ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے اور بھی چھوٹی بڑی جھڑپیں انگریزوں سے ہوئیں مگر انگریزوں کی کامیاب حکمت عملی، اسلحہ کی برتری اور نظم وضبط نے مقابلہ کرنے والے منتشر ہندوستانی حکمرانوں پر قابو پالیا، پھر بھی اس اٹھاون سال (۱۷۹۹ء سے ۱۸۵۷ء) میں چار کوششیں ایسی ہوئیں جنہیں بھلایا نہیں جاسکتا اور جس نے ۱۸۵۷ء کی تیاری میں مہمیز کا کام کیا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملک کے نامور عالم دین اور مجاہد وقت تھے، ملک اور بیرون ملک ان کے لاکھوں مرید پھیلے ہوئے تھے، ان کا سلسلہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ملتا ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ

نے ملک کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا، اور اپنے شاگردوں اور مریدوں اور دوسرے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے خاموشی سے افراد سازی کے ساتھ ہتھیار جمع کرنے کا کام کیا، اس سلسلہ میں انہوں نے مونگیر، بہار (جو اس وقت بھی قانونی اور غیر قانونی اسلحہ سازی کا مرکز تھا، اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت زندہ ہے) اور بنگالہ کا سفر کیا، اس پورے سفر میں لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا، اس سفر کے نتیجہ میں آزادی کی جدوجہد کو عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی، اور اسلحوں کو حاصل کرنے کی راہ ہموار ہوئی، حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے دستِ راست حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے انگریزوں سے مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں جنگ کی، یہ جنگ بھی مقامی حالات کی وجہ سے ہار پر ختم ہوئی، اس معرکہ میں یہ دونوں حضرات اور ان کے بہت سے رفقاء شہید ہوئے۔

۱۸۴۵ء میں انگریزوں کی جنگ سکھوں سے ہوئی، یہ جنگ پورے ہندستان کو آزاد کرانے کے ذہن کے ساتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ سکھوں کے علاقہ کو خود مختاری دلانے کے جذبہ سے لڑی گئی تھی، انگریزوں نے سکھوں سے مصالحت کی اور نتیجہ کے طور پر پنجاب میں سکھوں کی عملداری قائم ہوگئی، اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین کے طور پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزوں نے جانشین مان لیا، اس طرح ۱۸۴۵ء کی جنگ کا مقصد پورا ہوا، اور سکھوں کو کامیابی ملی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل ایک اور اہم جنگ ہوئی، یہ جنگ شیر دل خاتون بیگم حضرت محل کی سربراہی میں لڑی گئی، اس جنگ میں ضلع شاہ آباد (بہار) کے راجہ کنور سنگھ کا کردار ناقابل فراموش ہے، اس جنگ میں ہندوستانی ہندو مسلمان سپاہیوں کے ساتھ نیپالی (گورکھا) سپاہی اور عملدار شریک تھے، یہ گورکھے انگریزوں سے مل گئے، انگریزوں نے ان سے نیپال میں محدود عملداری کا وعدہ کیا، اور نیپالیوں نے بیگم حضرت محل کا ساتھ چھوڑ دیا، جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۶ء کی جنگ اودھ ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوگئی، بیگم حضرت محل نے نہ صرف اپنا اسٹیٹ کھو دیا بلکہ اپنی زندگی دربدری میں گزار دی اور تاج برطانیہ کے معافی کے اعلان کے باوجود انگریزوں سے مصالحت نہیں کی۔

۱۸۵۷ء سے پہلے ۱۸۵۶ء میں ویر کنور سنگھ اور ان کے بھائی امر سنگھ نے جگدیش پور (ضلع شاہ آباد، بہار) میں انگریزوں سے زبردست جنگ کی، اس جنگ میں گرچہ ویر کنور سنگھ کو ہار ہوئی، ان کا اسٹیٹ تباہ کر دیا گیا، مگر اس جنگ کے اثرات اتر ہندوستان پر گہرے پڑے، جنگ آزادی میں ویر کنور سنگھ اور ان کے خاندان کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

ایسے چھوٹے بڑے بہت سے چراغ آزادی ہند کی راہ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے روشن ہوئے، ان سارے حالات وواقعات کو مختصر مضمون میں سمیٹا نہیں جاسکتا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پہلی جنگ آزادی نہیں تھی، بلکہ یہ آخری منظم، مسلح جدوجہد تھی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متعلق یہ بات بھی جانی جاتی ہے کہ یہ میرٹھ سے شروع ہوئی تھی، انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں جو کارروائی کی، اس کی ابتداء کلکتہ (دمدم اور بارک پور) سے ہوئی تھی، برٹش آرمی کے ہندو مسلمان سپاہیوں میں یہ بات عام ہوئی کہ کارتوس میں گائے کا چمڑا اور سور کی چربی کا استعمال ہوتا ہے، ۲۲ر جنوری ۱۸۵۷ء کو پہلے پہل اس خبر سے ہندوستانی فوجی کلکتہ میں بھڑک اٹھے اور انہوں نے زبردست احتجاج کیا، کچھ ایسی ہی صورت حال لکھنؤ میں پیش آئی، ان تمام سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے ملازمت سے برخواست کر دیا گیا، ان میں سے کچھ سپاہی انگریز فوج کی چھاؤنیوں میں پہونچے اور حالات سنائے جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر برٹش آرمی کے خلاف انگریزوں کی ہندوستانی فوج برافروختہ ہوگئی۔

۲۴ر اپریل کو میرٹھ میں کلکتہ جیسا واقعہ دہرایا، انگریز ذمہ داروں نے ۹ر مئی کو میرٹھ میں ایک رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو دس سال کی قید بامشقت کی سزا سنادی، اس فیصلہ کا اعلان بھی توہین آمیز طریقہ پر ہوا تھا، ہندوستانی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو ہلاک کر کے ان قیدیوں کو آزاد کرایا، اور میرٹھ سے دہلی کی طرف کوچ کر گئے، یہ ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے، میرٹھ کے ہندوستانی فوجیوں کی آمد نے دہلی کے فوجیوں میں نئے حوصلے دیئے، اور دہلی میں بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا گیا، انگریزوں نے سکھ رجمنٹ کی مدد سے تقریباً چار ماہ تک دہلی کا محاصرہ کئے رکھا، ۱۴ر ستمبر کو زبردست جنگ ہوئی، ۱۴، ۱۵ر ستمبر ۱۸۵۷ء کی تاریخ ہندوستان کی مسلح جدوجہد آزادی کا خونی باب ہے، آزادی ہند کے معروف مؤرخ ولیم ڈیلرمپل نے لکھا ہے: ''جب دہلی کا محاصرہ ختم ہوا تو بہت سے مبصروں کے مطابق باقی بچنے والے باغیوں میں آدھے ''جہادی'' تھے، جنہوں نے ۱۴ر ستمبر کو برطانوی حملہ کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی''۔

ٹھیک انہیں تاریخوں میں حضرت ضامن شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا منیر الدینؒ اور ان کے رفقاء نے شاملی کے میدان میں انگریزی فوج سے جنگ کی، ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو حضرت ضامن شہیدؒ اور ان کے بہت سے رفقاء شہید ہوگئے، اس جنگ میں ہندوستانیوں کو ہار ہوئی، دہلی کے تاریخی معرکہ اور شاملی کی جنگ کی تاریخ ایک ہی ہے، اسے اتفاق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک مشترکہ جدوجہد آزادی کی دو کڑیاں ہیں، دہلی معرکہ میں انگریز جنرل نکلسن مارا گیا، مگر آخر کار دہلی اور شاملی دونوں جگہ ہندوستانیوں کو شکست ہوئی، اور بہادر شاہ ظفر ۱۷ر اکتوبر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیئے گئے۔

یہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ میرٹھ میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی پہلی مسلح جدوجہد نہیں تھی، پہلی مسلح جدوجہد کلکتہ میں ۱۷۵۴ء میں ہوئی۔

۱۸۵۷ء کا انقلابی اقدام میرٹھ سے نہیں کلکتہ سے شروع ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆



احساس ذمہ داری

# مدارس کا کردار

از ..... بلال عبدالحی حسنی ندوی

اسلام دشمن طاقتوں نے شاید یہ حقیقت سمجھ لی ہے کہ جب تک مدارس باقی ہیں اس وقت تک مسلمان باقی ہیں، ان طاقتوں نے یہ بھی سمجھ لیا ہے کہ مسلمان مدرسوں سے ایسے مربوط ہیں کہ ان کو مدرسوں سے الگ کرنا دشوار ترین کام ہے، اس کا تجربہ کر کے وہ دیکھ چکے ہیں، وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مدارس پر براہِ راست اٹیک بھی نہیں کیا جاسکتا، مسلمانوں کے لیے اس کا برداشت کرنا مشکل ہے اور شاید اس سے بات اور بگڑ جائے، اس لیے انھوں نے اس کی نئی حکمتِ عملی اختیار کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ مدارس کو ان کے راستہ سے ہٹا دیا جائے، مدرسوں کے نام باقی رہے لیکن وہ اپنی فادیت کھودیں، سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

اس حکمت عملی کو لے کر کھلے دشمن بھی ہمارے سامنے ہیں اور وہ مار آستیں بھی ہیں جو ہمہ وقت ڈسنے کے لیے تیار رہتے ہیں، یوروپ وامریکہ نے ایک ایسی نسل تیار کردی ہے جو خالص مغربی ذہن رکھنے والی ہے، ان کی ایسی تربیت کی گئی ہے کہ اس کے علاوہ سوچنے پر تیار نہیں، بعض نام نہاد ''علماء'' بھی ان کے لئے میں لے ملانے لگے ہیں، ایک ''خود ساختہ عالم'' نے تو انتہا کردی اور انکے قلم سے ایسے جملے نکل گئے کہ کسی عام مسلمان کے بارے میں اس کا تصور مشکل تھا، چہ جائیکہ ایک عالم اور مفکر کے قلم سے، یہ بات نقل کرنے کی نہیں لیکن اس سے مغرب زدہ بلکہ عیسائیت زدہ ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے، ان کے نزدیک اب نظام بدلنے کی ضرورت ہے، اب کسی حد تک ''یورپین ماڈل'' اختیار کرنا چاہئے تاکہ مسلمان دنیا کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چل سکیں، یہ بات انہوں نے ڈھکے چھپے نہیں بلکہ کھلے لفظوں میں لکھ دی ہے، ان کے نزدیک اسوۂ رسول ﷺ کے حدود ہیں، آگے اور بھی ضرورتیں ہیں ان کو سمجھنا چاہئے، کسی مدرسہ کا فاضل یہ نہیں کہہ سکتا، اچھی بات یہ ہے کہ موصوف خود ساختہ پرداختہ ہیں۔

اب تک یوروپ نے ایسے لوگ تیار کیے تھے جو اپنی وضع قطع سے بھی خالص یورپین ہی دکھائی دیتے تھے، اب اس نے ایسے لوگوں تک سیند لگائی ہے جو ظاہری طور پر قطع مقطع نظر آتے ہیں۔

ایسے تمام لوگوں کو یورپ نے ایک ہی بولی سکھائی ہے اور وہ یہ کہ مدارس میں تبدیلی کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے معمولی تبدیلیاں تو ہوتی چلی آئی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی لیکن مدارس کے مزاج کو تبدیل کر دیا جائے اور اس کو دوسرے رنگ وآہنگ کے ساتھ جوڑ دیا جائے یہ مدارس کے لیے ازالۂ حیثیت عرفی کے مرادف ہے۔

اسلام دشمنوں کی نئی حکمت عملی یہ ہے کہ مدارس کو ان کے اس مقصد سے پھیر دیا جائے، تاکہ اسلام کے مضبوط قلعہ میں شگاف پڑ جائے، اس کے لیے انہوں نے مختلف حربے اختیار کیے ہیں، کہیں وہ مال کی لالچ دے کر نظام تبدیل کرنے کے خواہاں ہیں، اور بڑی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر وہ اپنی بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں، کہیں ان کو دہشت گردی کا اڈہ بتا کر اس سے کھلواڑ کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بات میڈیا میں اس زور کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ اچھے اچھے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں، کہیں کہیں اس کے لیے ایسی شکلیں اختیار کی جاتی ہیں کہ تنگ آمد بجنگ آمد کی مثل صادق آتی ہے، اور پھر ان پر تنگ نظری اور شدت پسندی کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں، ایسی صورت حال میں اہل مدارس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، ایک طرف ان کو پورے صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا ہے اور دوسری طرف اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے کردار کو متاثر نہ ہونے دیا جائے، مدارس کے سامنے جو اصل مقصد ہے وہ ہمیشہ پیش نظر رہے، اور اس کے لیے بہتر سے بہتر تدبیریں اختیار کی جائیں، تیسری اہم بات یہ ہے کہ اندرونِ خانہ ایسی کوئی بات نہ سامنے آئے جو شماتتِ اعداء کا ذریعہ بنے، اس کے لیے بڑی احتیاط اور قدرے زہد کی ضرورت ہے۔

مدارس کا شروع سے اپنا ایک مزاج تھا جس میں خاص طور پر صبر وضبط اور زہد وتقویٰ کی آمیزش تھی، دارارقم ہو یا صفۂ نبوی ﷺ، ان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ تعلیم اور تزکیہ دونوں چیزیں شانہ بشانہ چل رہی تھیں، یہاں وہی لوگ آتے تھے جو کچھ سوچ چکے ہوتے تھے ورنہ ؎

جس کو ہو جان ودل عزیز
اس کی گلی میں جائے کیوں

مدارس میں انہی لوگوں کا کام ہے جو یہ یقین

رکھتے ہوں کہ ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اگر ان ہی صفات کے ساتھ مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان مدارس کو باقی رکھا جائے گا توانشاء اللہ انہی مدارس سے وہ مطلوبہ صفات رکھنے والے علماء تیار ہوتے رہیں گے جن کی زمانہ کو ضرورت ہے جو زمانہ کی نبض پہنچانتے ہیں، اور حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں، جن کے ضمیر کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا، جن کی دنیا میں کوئی قیمت لگائی نہیں جاسکتی۔

ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ ان خفیہ راستوں کو پہچاننے اور ان پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے جہاں سے مدارس اور اہل مدارس کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ان کی کردار کشی کی جارہی ہے، اندرونِ خانہ داخل ہوکر اور مدرسہ کا لبادہ اوڑھ کر پورے نظام کو تہس نہس کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، معمولی اختلافات کو ہوا دے کر تفرقہ اندازی کی جارہی ہے اور ان کو مختلف صفوں میں بانٹا جارہا ہے، اگر اہل مدارس اور علماء نے ان سازشوں کو نہ سمجھا اور ان کو بے نقاب کرنے کی انتھک کوششیں نہ کیں تو صرف مدارس ہی نہیں بلکہ اس ملک میں خاص طور پر مسلمانوں کے وجود کو خطرہ ہے، اس لیے ایک طرف عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ طبقۂ علماء اور مدارس پر اعتماد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور دوسری طرف اس سے بڑی ذمہ داری علماء واہل مدارس کی ہے کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ مدارس کو اسی مزاج کے ساتھ قائم رکھیں جو اس کا امتیاز ہے، اور لاشعور میں بھی ایسی سازش کا شکار نہ ہونے پائیں جس کا نقصان پوری امت کو بھگتنا پڑے۔

☆☆☆☆☆

## کل ہند مسابقۂ حفظ قرآن مجید وقرأت اور اذان

بتاریخ 27-28-29/اکتوبر 2007ء بروز ہفتہ، اتوار، پیر سہ روزہ اجلاس

**زیر اہتمام مدرسہ دار التوحید آول ملّی بنگلور سلوتہ-62**

(شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

یہ مسابقہ تین شعبوں پر مشتمل ہوگا

**۱۔ شعبۂ قرأت ۲۔ شعبۂ حفظ قرآن مجید مکمل ۳۔ شعبۂ اذان**

### انعامات

| | | | |
|---|---|---|---|
| (۱) شعبۂ قرأت | انعام اول=50,000 | انعام دوم=25,000 | انعام سوم=15,000 |
| (۲) شعبۂ حفظ قرآن مجید | انعام اول=50,000 | انعام دوم=25,000 | انعام سوم=15,000 |
| (۳) شعبۂ اذان | انعام اول=15,000 | انعام دوم=15,000 | انعام سوم=5,00 |

☆ان کے علاوہ ہر شعبہ میں مزید سات امیدواروں کو اعزازی انعامات دیے جائیں گے۔

☆دوسرے مرحلہ میں پہونچنے والے تمام امیدواروں کو توصیفی سند دی جائے گی۔

☆25/اکتوبر 2007 جمعرات کی صبح تک ہر امیدوار کا مدرسہ پہونچنا لازمی ہوگا تاکہ جائزہ میں شرکت یقینی ہوسکے۔

☆ہر امیدوار کے مسابقہ کا شرکت فارم ۱۱/شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق 25/اگست 2007ء تک موصول ہونا لازمی ہے، شرکت فارم کو بذریعہ رجسٹری ڈاک روانہ فرمائیں۔

**دیگر شرائط و مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل نمبرات پر رابطہ کریں:**

(۱)9448516722۔(۲)9945066716۔(۳)9448516737۔(۴)9845529742۔

Adress:MD.NOORULLA
RAHMANI,MADRASA-E-DARUT TAUHEED
Aval Halli,Anjiniyapura Post,Kanakapura
Road, Bangalore-62,(K.A)

☆☆☆☆



عالم اسلام

آخری قسط

# سوڈان کا صوبہ دارفور

## بڑی طاقتوں کی شہ پر مقامی قبائل نے حالات بگاڑ دیئے

از.....سمیع الحق شیر پاؤ

سوڈانی حکومت بڑی شدت کے ساتھ اس قرارداد کے نفاذ کی مخالفت اس لیے کرتی ہے کہ اس کے مطابق یہ بین الاقوامی فورسز کو لامحدود اختیارات دیتی ہے، اس خدشے کا اظہار سوڈانی صدر نے جنوری ۲۰۰۷ء میں امریکا کے نیگرو مسلمانوں سے سیٹلائٹ کے ذریعے ایک سیمینار جسے الجزیرہ ٹی وی نے نشر کیا، سے خطاب کرتے ہوئے کیا، انہوں نے کہا: ''یہ قرارداد سوڈان میں اقوام متحدہ کے نمائندہ کووہی حیثیت دیتی ہے جو عراق میں امریکی افواج کے سربراہ پال بریمر کو حاصل ہے''۔

جنوبی سوڈان میں حکومت اور عوامی تحریک آزادئ سوڈان کے درمیان قیام امن کے معاہدہ معاہدہ نفاشا، کے روسے ۱۰ہزار امن فوج موجود ہے، اگر اس کے ساتھ دارفور میں بھی قرارداد کے مطابق مزید ۲۰ ہزار فوج بھیج دی جاتی ہے تو سوڈان پر عملاً بیرونی قبضے کا آغاز ہوجائے گا اور سوڈانی حکومت اور عوام اس کے لیے تیار نہیں ہیں، انہیں عالمی طاقتوں اور خاص طور پر امریکا کے خطرناک عزائم کا بخوبی علم ہے، جو ہر طرح سے خرطوم کا محاصرہ کرنا چاہتا ہے۔

حکومت کو یہ بھی خدشہ ہے کہ مغربی میڈیا نے جو وسیع پروپیگنڈہ دارفور کے عرب قبائل کے بارے میں کیا ہے اس کی وجہ سے امن فوج ان قبائل (جو علاقے کی تقریباً نصف آبادی ہیں) کے خلاف بڑا فوجی آپریشن کرے گی، اس طرح خطے میں عدم استحکام کے ساتھ ساتھ آبادی میں بھی عدم توازن پیدا ہوجائے گا جو خانہ جنگی کے لیے بنیاد فراہم کرسکتا ہے۔

اس خطے میں دلچسپی رکھنے والی عالمی طاقتوں میں سے امریکہ، فرانس اور چین سرفہرست ہیں، امریکہ افغانستان اور عراق میں سخت مصروف ہونے کے باوجود ایک پل کے لیے بھی دارفور سے غافل نہیں رہا، دراصل ذرائع ابلاغ اور انسانی حقوق کی تنظیمیں خاص طور پر ''دارفور بچاؤ'' تنظیم دارفور کو عراق کے بعد امریکا کا سب سے اہم مسئلہ باور کرانے میں کامیاب رہیں، یہاں تک کہ کانگریس کے انتخابات کے موقع پر فوکس نیوز CNN اور دوسرے بڑے بڑے امریکی TV چینلز پر مختلف امیدواروں نے دارفور کے مسئلے کو اپنے انتخابی مہم میں جگہ دیتے ہوئے بڑے بڑے اشتہارات دیئے، امریکی کانگریس میں خارجہ امور کی کمیٹی کے رکن ڈونلڈ باین نے دارفور میں اجتماعی تباہ کاری کے خلاف وائٹ ہاؤس کے سامنے ایک بڑے مظاہرے کی قیادت کی جس میں کئی پارلے مٹیرینز نے شرکت کی، ان امریکی سرگرمیوں کے تناظر میں سوڈان کے سیاسی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ امریکہ ایک خفیہ ایجنڈے کے تحت موجودہ حکومت کا محاصرہ کرکے اسے ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ہمارے تیل اور معدنیات کے خزانوں پر قبضہ کرسکے، فرق صرف یہ ہے کہ ڈیموکریٹک پارٹی والے بش کی میٹھی چھری والی نرم پالیسی کے خلاف ہیں، انکا کہنا ہے کہ سوڈانی حکومت کے خلاف سخت اقدام اٹھائے جائیں، یہ وہاں کی اسلام پسند حکومت کے خاتمے کا انتہائی مناسب وقت ہے۔

چین کے افریقہ کے ساتھ بالعموم اور اس خطے کے ساتھ بالخصوص اسٹرے ٹیجک مفادات وابستہ ہیں اس لیے چین سوڈان کے اس مسئلے کو بہت اہمیت دیتا ہے، پچھلے سال چین نے چین افریقی سربراہی کانفرنس طلب کی جس میں ۳۷/افریقی ممالک کے سربراہان نے شرکت کی، چین اپنی تیل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنی تیل کی مجموعی درآمدات کا ۶ فیصد سوڈان سے حاصل کرتا ہے جو کہ ۱۲ لاکھ بیرل یومیہ بنتا ہے، چین کی متعدد کمپنیاں سوڈان میں کئی بڑے منصوبوں پر کام کررہی ہیں، چینی صدر نے اپنے آخری دورے میں دارفور کے مسئلے کے حل کے لیے چار نکاتی فارمولا پیش کیا تھا:

۱۔ سوڈان کی سالمیت اور وحدت کا احترام کیا جائے۔

۲۔ برابری اور مساوات کی بنیاد پر اس مسئلے کا سفارتی حل تلاش کیا جائے اور طاقت کے استعمال سے قطعی طور پر گریز کیا جائے۔

۳۔ خطے میں قیام امن کے لیے افریقی یونین اور اقوام متحدہ کے کردار کو متعین کیا جائے۔

۴۔ دارفور کی ترقی اور اہل دارفور کی معاشی صورت حال کو اقوام متحدہ میں چین کے سفیر نے دارفور کے بارے میں متعلقہ قرارداد کی منظوری کے بعد اپنی تقریر میں کہا کہ سوڈانی حکومت سے منظوری لے کر ہی

امن فوج بھیجی جائے، لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مخالفت کے بعد سوڈان پر اقتصادی اور دیگر پابندیاں لگائی جاتی ہیں تو کیا چین سلامتی کونسل میں اس قرارداد کو ویٹو کرے گا؟ فی الوقت اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہے، اگرچہ زیادہ امکانات یہی ہیں کہ چین سوڈانی حکومت کے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔

**امکانی منظر نامے**

دارفور کے بدلتے ہوئے حالات کے تین امکانی منظر نامے ہوسکتے ہیں۔

۱۔ سوڈان کی شرائط پر چاڈ کے ساتھ تعلقات بحال کیے جائیں اور چاڈ کی حکومت کو پابند کیا جائے کہ وہ باغیوں کی مدد چھوڑ دے اور ان گروپوں کو بھی مذاکرات کے لیے آمادہ کرے جنھوں نے ابھی تک امن معاہدے پر دستخط نہیں کیے ہیں، دوسری جانب سوڈانی حکومت مشرقی چاڈ میں باغی گروپوں کی حمایت سے دستبردار ہوجائے تاکہ یہ خونریز لڑائی ختم ہوسکے۔

اگر اس سیناریو پر عمل درآمد کیا گیا تو سوڈان کچھ سکھ کا سانس لے سکے گا اور اس کے اوپر داخلی اور خارجی دباؤ کچھ کم ہوجائے گا، اگر تمام گروپ معاہدۂ امن پر دستخط کرتے ہیں تو سوڈان مزید لچک کا مظاہرہ کرے گا حتی کہ وہ بین الاقوامی امن فوج کی تعیناتی کے لیے بھی راضی ہوجائیگا، اس سیناریو کے روسے سوڈان کو یہ انقلابی قدم بھی اٹھانا پڑے گا کہ وہ اپوزیشن کو ساتھ ملائے اور ملکی استحکام کے لیے انہیں بھی امن کے اس عمل میں شریک کرے۔

۲۔ ممکن ہے وہ باغی تنظیمیں جنھوں نے معاہدۂ ابوجا پر دستخط نہیں کیے، اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں اور مذاکرات کی میز پر بیٹھنے سے انکار کردیں، ہوسکتا ہے کہ وہ خفیہ ہاتھ جو خطے کے امن کو سبوتاژ کررہا ہے، ان کی مالی تعاون اور اسلحے میں اضافہ کرے، تاکہ سوڈانی حکومت کو مزید کمزور کرکے اسے گرایا جاسکے۔

اگر چاڈ باغی گروپوں پر دباؤ نہیں ڈالتا اور سوڈان کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا ہے تو ردعمل کے طور پر وہ چاڈ کے باغیوں کو مزید امداد فراہم کرے گا اور یوں اس خطے کو طویل خانہ جنگی کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لے گی جسے مغربی صہیونی لابی اپنے مخصوص مقاصد کے لیے مسلسل بھڑکاتی رہے گی، یہ المناک منظر نامہ جنوبی سوڈان کی طرح دارفور کو ایک طویل تصادم کی طرف دھکیل سکتا ہے۔

۳۔ سوڈانی حکومت اقوام متحدہ کی قرارداد ۱۶۰۷ کو کچھ شرائط کے ساتھ مان لے، مثلاً یہ کہ دارفور بھیجی جانے والی بین الاقوامی امن فوج کی اکثریت افریقی نژاد ہو اور ان ممالک کی افواج کو دور رکھا جائے جن کی نظریں خطے پر قبضے پر لگی ہوئی ہیں، سوڈان عالمی برادری سے یہ مطالبہ بھی کرسکتا ہے کہ باغی گروپوں کو بھی معاہدۂ ابوجا پر دستخط کے لیے آمادہ کرے، نیز انہیں غیر مسلح کرکے ہی علاقے میں آنے دیا جائے، علاوہ ازیں سوڈان یہ مطالبہ بھی کرے مکہ امن فوج کی تعیناتی کے تیسرے مرحلے پر اس وقت عمل درآمد کیا جائے جب ہمارے تمام مطالبات پورے نہ کیے جائیں۔

موجودہ حالات میں سوڈانی حکومت اس آخری سیناریو کے زیادہ قریب ہے تاہم اسے اپوزیشن کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

**تجاویز**

مسئلۂ دارفور کو اگر جلد از جلد حل نہ کیا گیا تو اس کے اثرات صرف سوڈان تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ اس کی تباہی چاڈ، مغربی لیبیا اور دیگر قریبی ممالک اریٹریا، صومال ایتھوپیا اور جیبوتی تک پھیل جائے گی جہاں عرب اور افریقی قبائل آباد ہیں۔

عرب اور اسلامی ممالک اس معاملے میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کررہے ہیں اس کی وجہ سے مسلسل اس کی ہولناکی میں اضافہ ہورہا ہے، اہل خطہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ امت مسلمہ ان کے اس مسئلے کو ایسے نظر انداز کررہی ہے جیسے یہ اس امت کا حصہ ہی نہیں ہے، ہمیں ان طاقتوں کی فتنہ پروری کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو مسلسل اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کررہی ہیں۔

اس مسئلے کا صرف سیاسی حل ہی کافی نہیں ہوگا کیونکہ سوڈانی حکومت دارفور میں غیر جانبداری کا مظاہرہ نہیں کرسکی اور غیر عرب اہلیان دارفور کو حکومتی اداروں میں نمائندگی کے وقت نظر انداز کیا گیا، محرومی کے اس احساس کو مغربی طاقتوں نے مزید ہوا دی، خاص طور پر خطے میں موجودہ نام نہاد انسانی حقوق اور بین الاقوامی امدادی تنظیموں نے اس مسئلے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا، اور ۲۰/لاکھ پناہ گزینوں میں احساس محرومی کا زہر اتارنے میں کامیاب رہے، اس لیے ضروری ہیکہ بڑے پیمانے پر مزید کچھ اقدامات اٹھائے جائیں:

۱۔ اسلامی فلاح اور امدادی تنظیموں کو فوری طور پر دارفور کے متاثرین کی امداد کے لیے تیار کیا جائے تاکہ مغربی اور غیر مسلم این جی اوز کی ضرورت ہی نہ پڑے جو مسئلے کو حل کرنے کے بجائے مزید پیچیدہ کررہے ہیں۔

۲۔ عالم اسلام کی معروف شخصیات اور علماء براہ راست متاثرہ علاقے کا دورہ کریں اور پناہ گزینوں کا حال معلوم کریں، یہ امر باعث حیرت ہے کہ مغربی غیر مسلم افراد اور تنظیمیں تو ہفتوں اور مہینوں ہمارے مسلمان بھائیوں کے ساتھ رہ کر دادرسی کرتے رہیں اور مسلمان سوتے رہیں، کچھ حضرات خرطوم تک جاکر ذمہ داران سے ملاقات کرکے بیان جاری کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کیا، اس سنگین مسئلے کا حق اس طرح سے ادا نہیں ہوسکتا۔



۳۔ عالمی اتحاد العلماء مسلمان اور عرب ممالک کے تعلیمی اور مالیاتی اداروں سے مل کر دارفور کے ذہین اور خواہشمند طلبہ کو مختلف یونیورسٹیوں میں اسکالرشپ پر تعلیم دلوانے کا بندوبست کردے، اس طرح دارفور کے لیے باصلاحیت لیڈرشپ تیار کی جاسکتی ہے جو اتحاد واتفاق اور قومی یکجہتی میں مؤثر کردار ادا کریں اور کٹھ پتلی لیڈر جو یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے محلات میں بیٹھ کر امت کو ٹکڑے کرنے کی کوشش کررہے ہیں ان کے مقابلے میں کھڑے ہوں۔

۴۔ متاثرین دارفور کے لیے ایک وسیع فنڈ قائم کیا جائے جس سے متاثرہ افراد اور خاندانوں کی مالی معاونت کی جائے، عالمی اتحاد العلماء دیگر اسلامی تنظیموں مثلاً عرب لیگ، او آئی سی اور رابطۂ عالم اسلامی سے مل کر سوڈانی حکومت کے تعاون سے یہ فنڈ قائم کرے۔

۲۔ اس مسئلے کی سنگینی کا دوسرا پہلو نصرانی اور مشنری اداروں کا تیزی سے حرکت میں آنا ہے، جنوبی سوڈان کی جنگ کے دوران بین الاقوامی چرچ نے کوشش کی کہ اس کا دائرہ دارفور تک وسیع ہوجائے تاکہ وہ اپنی دعوت کا جال وہاں بھی پھیلا سکے اور دارفور.....کو عیسائی دعوت کا گھر بنادے، اگرچہ یہ کام اتنا آسان نہیں تاہم دارفور کی موجودہ صورت حال اور خانہ جنگی اگر برقرار رہی تو حالات تبدیل ہوسکتے ہیں۔

سوڈانی حکومت کے اعداد وشمار کے مطابق مہاجرین، پناہ گزین اور متاثرین کی تعداد ۲۰ لاکھ ہے، یہ تمام لوگ براہ راست مشنری اداروں کا ہدف ہیں جنہیں یہ باسانی شکار کرسکتے ہیں، سوڈان کی عیسائی قبائل کی نصف آبادی استعماری یلغار جبکہ باقی آدھی آبادی داخلی جنگوں اور باہمی تصادم کے نتیجے میں عیسائیت میں جاچکی ہے، آج دارفور کی بھی یہی حالت ہے جس کا فائدہ اٹھا کر مغربی کلیسا اپنے مذموم مقاصد پورے کرسکتا ہے۔

مسلمانوں کو وقت نکلنے سے پہلے پہلے خواب غفلت سے بیدار ہونا اور یہ سوچنا چاہئے کہ یہ مسئلہ جتنا طول پکڑے گا اتنا ہی عیسائی مشنری کو اپنی دعوت پھیلانے کا موقع ملے گا، یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک اس کے حل میں مختلف رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ سوڈانی حکومت کی مدد بھی ضروری ہے تاکہ وہ اس مسئلہ کا جلد از جلد اور قریب ترین حل نکال سکے، اس سلسلے میں اسے مذکورہ تیسرے سیناریو میں کچھ ردوبدل کرکے قبول کرنا چاہئے۔

علاقائی طاقتوں مثلاً لیبیا اور مصر کو بھی نصرانیت اور امریکی عسکریت کے بڑھتے ہوئے خطرے سے آگاہ کرنا چاہئے، خاص طور سے لیبیا کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ اگر یہ طاقتیں دارفور میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو لیبیا ہرگز اس سیلاب سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، اس سلسلے میں یہ تجویز قابل عمل ہے کہ عالمی اتحاد العلماء کا ایک وفد لیبیا کا دورہ کرے اور وہاں کے ذمہ داران کو اس خطرناک صورت حال سے آگاہ کرلے اور ان سے اپیل کرے کہ اس مسئلے میں مثبت کردار ادا کریں۔

یہ کام اتنا آسان نہیں تاہم اللہ کے سامنے جوابدہی اور امت کی ذمہ داری کا احساس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ پر توکل کرکے اپنی بساط کے مطابق اس کام کا آغاز کیا جانا چاہئے، اگر عالمی اتحاد العلماء اس کام میں جزوی کامیابی بھی حاصل کرتا ہے تو اس سے نہ صرف دیگر اسلامی تنظیمیں جاگ اٹھیں گی بلکہ کئی اسلامی ممالک بھی اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔

سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی طرف سے دارفور کے بارے میں پاس کی گئی قراردادوں کے متون کے لیے مندرجہ ذیل ویب سائیں دیکھئے:

سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۱۵۶۴:

http://daccessdds.un.org/doc/UNDOC/GEN/N004/515/45/PDF/N0451545/. pdf? Open Element

سلامتی کونسل کی قرارداد ۱۵۹۳:

http://daccessdds.un.org/doc/UNDOC/GEN/N04/292/71/PDF/ N0529271. df? Open Element

(بشکریہ ماہنامہ ایشیا، پاکستان)

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

**پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی**

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

**برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول**

گاندھی نگر، مدھیہ پردیش، انڈیا اور

**برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول**

سلطانیہ روڈ، ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

**"کلیۃ برکت اللہ"** کی تعمیر الحمدللہ نرسنگھ گڑھ روڈ پر جاری ہے، جس میں بورڈنگ کا اعلیٰ سطحی انتظام ہوگا۔

مذکورہ اداروں میں عصری تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے

منجانب: حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ

فون: 0091-755-2543466, 2642715

تجزیہ

# انجیل مرقس میں تحریف کی ایک مثال

## برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی کردار کشی

از ..... سلمان نسیم ندوی

مسیحیت کے مآخذ میں انجیل مرقس کو اہم مقام حاصل ہے، اس کا کاتب یوحنا (لقب: مرقس) یکے از پیروان یسوع مسیح ہیں یا حواریوں کے سردار پطرس جیسا کہ ابن بطریق کی رائے ہے؟ اس میں محققین کے درمیان اختلاف ہے، اس وقت اختلاف سے قطع نظر انجیل مرقس کی ایک کہانی کی اصلیت اور حقیقت پر نظر ڈالنا مقصود ہے جو انجیل مرقس میں بار بار دہرائی گئی ہے۔

کہانی کا خلاصہ یہ ہے:

''حضرت عیسیٰ اپنے شاگردوں کے ہمراہ ایک گاؤں (بیت عنیا) پہونچے، اچانک ایک عورت جس کا بھائی مرگیا تھا یسوع مسیح کے سامنے آئی اور یہ پکارتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئی: اے ابن داؤد مجھ پر رحم کر! شاگردوں نے اس خاتون کو جھڑکا تو یسوع نے اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، اور اس عورت کے ساتھ اس باغ میں گئے جہاں اس کے بھائی کی قبر تھی، اسی وقت قبر سے رونے کی ایک بلند آواز سنی گئی تو یسوع نے قبر پر سے چٹان کو ہٹا دیا، اور وہاں اتر گئے جہاں وہ جوان تھا، پھر یسوع نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور نوجوان کو کھڑا کر دیا، نوجوان نے یسوع کو بغور دیکھا اور محبت میں گرفتار ہوا اور یسوع کے پاس رہنے کی ان سے گذارش کی، پھر وہ دونوں قبر سے باہر آئے، اور سب لوگ اس نوجوان کے گھر گئے، اس لئے کہ نوجوان مالدار تھا، انہوں نے وہاں چھ دن گذارے، اس عرصہ میں یسوع نے اس نوجوان کو ضروری تعلیمات دی، اور شام کو نوجوان آیا اس حال میں کہ اس نے اپنے ننگے بدن پر ایک باریک کپڑا پہن رکھا تھا جس کو کاہن پہنا کرتے تھے، یسوع اس رات اس کے ساتھ رہے تاکہ اس کو ملکوت الٰہی کے اسرار سکھائیں، اور جب یسوع بیدار ہوئے تو نہر اردن کے دوسری طرف روانہ ہوگئے.....''

یہ ہے اُس کہانی کا خلاصہ جو انجیل مرقس کے مختلف حصوں میں حذف واضافہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، انجیل یوحنا (45-1:11) میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ متذکرہ بالا تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں واقعہ ایک ہی ہے، اس میں یسوع کا اس نیم عریان نوجوان کے ساتھ رات گذارنے کو خصوصیت سے جگہ دی گئی ہے، مرقس (52-51:14) میں سولی کے واقعہ میں مذکور ہے:

''سب نے ان (یسوع مسیح) کا ساتھ چھوڑ دیا اور بھاگ گئے، البتہ ایک جوان جو ایک ازار پہنے نیم عریاں تھا ساتھ لگا رہا، نوجوانوں نے اس کو پکڑ لیا، تب اس نے ازار اتار پھینکا اور ننگا ہی بھاگ اُٹھا''۔

مرقس (52-51:14) میں مکتوب ہے: ''جب جثسیمانی کے باغ میں پہرے داروں نے ان پر ہلّہ بولا تو وہ جوان عریانیت کی حالت میں بھاگ کھڑا ہوا.....''

ان تمام جگہوں پر کردار ایک ہی ہے، اور اگر خط کشیدہ الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات وضاحت کی محتاج نہیں رہ جائے گی کہ اس کہانی میں کردار کے جس پہلو کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یسوع مسیح کا اس کمسن نوجوان کے ساتھ شب باشی اور صحبت وانس ہے، جو اکثر نیم عریاں رہتا تھا، اس تصویر کشی کو اللہ کے برگزیدہ بندہ کی توہین اور غلط تصویر تسلیم کی جائے یا پھر اس کی تاویل کی جائے یا پھر (نعوذ باللہ) وہ تسلیم کرلیا جائے جو اہل ہوس نے اس تصویر کشی سے تسلیم کرانا چاہا ہے، جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

انجیل مرقس کے بعض نسخوں میں اس طرح کے صاف الفاظ وارد ہوئے ہیں ''عریاں شخص عریاں کے ساتھ''۔ اس طرح کے جملوں یا مذکورہ عریانیت کی تفسیر میں مفسرین نے دو رائے بیان کی ہیں:

1۔ بعض مفسرین نے اس عریانیت کو اس مفہوم میں لیا ہے کہ یہ دراصل بپتسمہ کے عمل کی تیاری کا ایک حصہ تھا، اس لئے کہ مسیحیت کے آغاز میں بپتسمہ کا عمل انجام دینے والا یا کاہن اور وہ جس کو بپتسمہ دیا جاتا تھا دونوں اس عمل کے دوران عُریاں رہا کرتے تھے۔

لیکن دو دلیل اس رائے اور تفسیر کی نفی کرتی ہے:

1۔ اگر اس عریانیت کا محرک اور سبب ایک عبادت اور مقدس عمل تھا تو پھر کلیسا نے اس انجیل مرقس میں جس کو بیقیہ کی کونسل نے تسلیم کیا ہے، اس سے اس واقعہ کو حذف کیوں کر دیا؟ اور یہی نہیں بلکہ قدس کے ایک بڑے پادری کلیمنٹ نے سرے سے اس کا انکار ہی کیوں کر دیا؟

2۔ یسوع مسیحؑ اپنے تمام پیروؤں سے محبت کرتے تھے، پھر کیا بات ہے کہ جب جب یسوع اور اس نوجوان کا تذکرہ آتا ہے تو خصوصیت سے ''محبت'' کا تذکرہ آتا ہے، اور عُریانیت پہلی تفسیر کے مطابق اگر



بپتسمہ کے لئے تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ جہاں بھی نوجوان کا تذکرہ آتا ہے اسی کے ساتھ اس کی نیم عریانی کو بیان کیا جاتا ہے جب کہ بپتسمہ کا عمل ہر وقت نہیں ہوتا؟

**دوسری تفسیر:**

2۔ دوسری رائے کے بانی مبانی مورٹن سمیٹ (1915-1991) ہے، اس شخص نے مرقس کی خفیہ انجیل کے بارے میں دو کتابیں بھی لکھی ہے، وہ اس تصویر کشی کی یہ تفسیر کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) یسوع مسیح اس قوم کا عمل کیا کرتے تھے جس پر پتھر کی بارش ہوئی تھی (اس گستاخ شخص نے اس موقع پر کھلے لفظوں کو استعمال کیا ہے) دوسرے لفظوں میں وہ دریدہ دہن ان کی طرف ہم جنس پرستی کو منسوب کرتا ہے۔

حد یہ ہے کہ مذکورہ کہانی میں جہاں جہاں عریانیت کا تذکرہ آیا ہے، اس جگہ تبصرہ کرتے ہوئے پادری پیٹر میرفی لکھتا ہے:

☆ ''انجیل یوحنا یونانی زبان میں لکھی گئی، اس انجیل کے مخاطب یونانی عوام تھے، قدیم یونانیوں کے نزدیک ہم جنس پرستی کوئی عیب یا شرم کی بات نہیں تھی، اس لئے دو شخصوں کے مابین محبت یا ٹیک لگانے کی تعبیر سے جنسی محبت مراد لینا کوئی بعید بات نہیں ہے.....''

☆ ''اس نوجوان کا ایک معمولی چادر اس طرح زیب تن کرنا کہ اس کا کھینچ لینا اور اس کو ننگا کر دینا ممکن ہو، اس سے اس کے علاوہ اور کیا ثابت ہوسکتا ہے کہ یسوع اور کم سن نوجوانوں کے درمیان خاص نوعیت کے تعلقات تھے.....''۔ (العیاذ باللہ) (۱)

پہلی تفسیر قوی نہیں ہے اور دوسری رائے ایک عام شخص کی طرف منسوب کرنا شرم وعار کی بات ہے چہ جائے کہ ایک برگزیدہ ہستی، پیغمبر خدا کی طرف اس کا انتساب کیا جائے، پھر آخر اس کہانی کی حقیقت کیا ہے؟ تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانی کا وجود ہے لیکن اس شکل میں نہیں جس شکل میں پیش کی گئی ہے، دراصل انجیل مرقس میں تحریف نے اس کہانی کو ''معاشقہ'' یا ''ہم جنس پرستی'' کا رنگ دے دیا ہے، چنانچہ اس کا اعتراف خود قدس کے پادری کلیمنٹ نے برملا کیا ہے، اس اعتراف کا انکشاف خود مورٹن سمیٹ نے کیا ہے۔

''مورٹن سمیٹ'' ایک بڑا عیسائی عالم ہے، قدس کے جنوب مشرق میں واقع ماری سابا نامی چرچ کے مخصوص کتب خانہ کی فہرست سازی کا کام اس کے سپرد تھا، ساتویں صدی ہجری کے مصنف اجناٹیس انطاکی کی ایک کتاب کا جائزہ لیتے وقت، کتاب کے آخری صفحات میں یونانی زبان میں اس کو ایک خط نظر آیا، خط کا آغاز ان الفاظ میں ہوا تھا: ''مقدس کلیمنٹ (مصنف کتاب ''اسٹروماٹیس'' کی طرف سے یہ خط تھیوڈر کے نام.....''۔

یہ خط تھیوڈر نامی ایک شخص کو لکھا گیا ہے، خط کا لکھنے والا کلیمنٹ اسکندری (213-150) ہے، 203ء میں جب قیصر سپٹیموس سفیر لیس نے عیسائیوں پر مقدمہ چلایا تو یہ اسکندریہ سے بھاگ کر قدس میں پناہ گزیں ہوا، اور قدس کا پادری بن گیا، اسی پادری کی حیثیت سے اس نے یہ خط بھیجا، اس خط میں پادری کلیمنٹ نے مرقس کی خفیہ انجیل کے بارے میں بہت سی معلومات مہیا کی ہے، انہوں نے اس خط میں اس انجیل کے دو مکمل اقتباس کو پیش کیا ہے، کلیمنٹ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مکمل انجیل اسکندریہ کے گرجا گھر میں موجود ہے، لیکن کلیسا نے اس کو دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے، ان کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجیل مرقس مسیحیت کے ابتدائی زمانوں میں تین شکلوں میں موجود تھا:

☆ مکمل نسخہ، یہ نسخہ علم لاہوتی کے متخصصین کے لئے مخصوص تھا، مرقس جب اسکندریہ وارد ہوئے تو انہوں نے اس نسخہ میں اضافہ بھی کیا تھا۔

☆ کاربوکراٹسی نسخہ، یہ نسخہ کاربوکراٹس کی طرف منسوب ہے، اس نے اپنی ایک جماعت قائم کی تھی، اس نے انجیل مرقس کے اصل نسخوں میں تحریف کیا اور پھر یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہی اصل نسخے ہیں، ان نسخوں کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں جنسی اباحیت کی دعوت کھلم کھلا دی گئی ہے۔

☆ خط سے یہ بھی واضح ہوتا ہے تیسرا وہ مختصر ومنقح نسخہ ہے جس کو بیقیہ کی کونسل نے تسلیم کیا اور اختلاف سے بچنے کے لئے مکمل یا محرف نسخوں سے اجتناب کیا گیا، ان تمام نسخوں کو ختم کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں دو مصری کاشتکاروں نے زمین کی تہوں سے بہت سی انجیلوں کو نکالا جن کو حرام قرار دیا گیا تھا، جیسے انجیل مریم، انجیل توماس وغیرہ۔

**کلیمنٹ کا خط تھیوڈر کے نام**

تھیوڈر نے کلیمنٹ کو ایک سوالنامہ بھیجا تھا، جس میں مذکورہ بالا جملوں یا اس عشقیہ کہانی کے بارے میں وضاحت چاہی تھی، کلیمنٹ چونکہ اسکندریہ میں انجیل مرقس کا مکمل نسخہ دیکھ چکا تھا، اس لئے اس نے اس نسخہ کو اصل مان کر یہ جواب لکھا کہ یہ عشقیہ کہانی اصل انجیل مرقس میں موجود نہیں ہے یا کم از کم اس شکل میں نہیں ہے، یہ خط طویل ہے لیکن یہاں اس خط کے صرف ان حصوں کو نقل کیا جائے گا جن سے موضوع پر روشنی پڑتی ہے:

''کاربوکراٹ کی تعلیمات کو موت کی نیند سلا کر آپ نے ایک بڑا ٹیک کا انجام دیا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ ان گمراہ ستاروں کی طرح ہیں جن کا اشارہ پیشین گوئی میں کیا گیا ہے، جو لوگ جسمانی لامتناہی جہنم کے گڈھے میں پڑنے کی وصیت کر کے صراط مستقیم سے گمراہ ہو گئے، جس وقت یہ لوگ اس بات کا دعوی کر رہے تھے کہ یہ شیطان کے خفیہ رازوں کو جانتے ہی ان کو

اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو گمراہی کی تاریکی میں ڈھکیل رہے ہیں۔

یہ حضرات انجیل مرقس کے بارے میں جو بات مسلسل دہرا رہے ہیں، تو اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس انجیل کے بعض حصے محرف ہیں اگرچہ بعض حصے حقائق پر مشتمل ہیں، لیکن کسی بھی حال میں یہ انجیل اپنی صحیح شکل میں پیش نہیں کی گئی ہے، اس لئے کہ سچائی اور حق کو جب جھوٹ اور باطل میں گڈمڈ کر دیا جائے گا تو وہ محرف اور باطل ہی سمجھا جائے گا..... اور اس میں حق کی حیثیت اس نمک کی طرح ہو جائے گی جس نے اپنا ذائقہ کھو دیا ہو۔

انجیل مرقس کا واقعہ یہ ہے کہ پطرس نے روما میں اپنے دوران قیام (GOD) کے اعمال و معمولات کو قلم بند کیا تھا لیکن وہ (GOD) کے تمام حالات اور معمولات نہیں تھے، خفیہ معمولات کا اس میں اشارہ بھی نہیں تھا، لیکن پطرس نے ان چیزوں کا انتخاب کیا تھا جن سے اس کے یقین کے مطابق نئے مؤمنین کے ایمان کو مظبوط بنانے میں مدد ملتی، لیکن جب پطرس شہید ہوئے تو مرقس اسکندریہ پہونچا، مرقس نے اپنی تصنیف شدہ کتاب میں ان خواطر اور خیالات کو منتقل کر لیا، جس سے معرفت الٰہی کی طرف پیش رفت میں مدد مل سکتی تھی، اس طرح مرقس نے ایک ایسے انجیل کی تالیف کی جس میں روحانیت پر زور تھا تا کہ اس کمال کے طالبین اس سے فائدہ اٹھا سکیں، لیکن اس نے اس سلسلہ میں مختلف فیہ امور، اسی طرح رب کے پوشیدہ اعمال سے تعرض نہیں کیا ..... جب اس کی موت قریب آئی تو اس نے اپنی تصنیفات اسکندریہ کے کلیسا کو دے دیا، جہاں پر اس کی مکمل حفاظت کی جاتی تھی، اور صرف انہیں کو پڑھنے کے لئے دی جاتی تھی جن کو عظیم اسرار کے حصول کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔

لیکن جیسا کہ معلوم ہے کہ شیطان کی شریر طبیعت بنی نوع انسانی کی ہلاکت کے منصوبے بناتی ہے، شیطان کی اسی طبیعت نے کاربوکراٹس کو اپنے دام فریب میں جکڑ لیا، چنانچہ کاربوکراٹس نے مکر و فریب کے جال پھیلائے اور اسکندریہ کے گرجا گھر کے ایک پادری کو شیشہ میں اتار لیا اور اس طرح اس نے خفیہ انجیل کے ایک نسخہ کو حاصل کیا، اور پھر اس نے اپنے کافرانہ عقیدہ کے مطابق جس میں جسم کو مقدس درجہ حاصل ہے، اس انجیل کی تفسیر کی، اس کے علاوہ انجیل کے مقدس کلمات کو خرافات اور جھوٹ سے بدلا، اور اس طرح اس نے کاربوکراٹی تعلیم ایجاد کی۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے میدان کھلا نہ چھوڑا جائے، اور اس انجیل کو ہرگز تسلیم نہ کیا جائے.....''

### تحریف کا پس منظر

رومی اور یونانی تہذیب میں ہم جنس پرستی عام بات رہی ہے، افلاطون اور ہومیروس نے اس کا کھل کر تذکرہ کیا ہے، واقعات نقل کئے ہیں، یہاں تک کہ یونانی تہذیب میں خدا بھی اس سے محفوظ نہیں ہے، جس زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی اس وقت یروشلم رومیوں کے زیر اثر تھا، اور ہر مغلوب قوم کی طرح غالب قوم کی یہ ''مہذب مرض'' ان میں بھی عام تھا، حضرت عیسیٰ مسیح کی تعلیمات نے اس کی مخالفت کی، غالی متبعین نے اس مخالفت کو پہلے ''بے رغبتی'' پھر ''رہبانیت'' میں داخل کر دیا، اب ہم جنس پرستی تو دور کی بات کلیسا کی تعلیمات میں جائز اور مشروع طریقوں کی بھی گنجائش نہیں تھی، فطری طور پر اس کا ردعمل اس طرح ہوا کہ خود کلیسائیں اور خانقاہیں بدکاری کے سب سے بڑے اڈے بن گئے، اور دوسرا ردعمل یہ ظاہر ہوا کہ مسیحی تعلیمات میں خود اہل ہوس مسیحی علماء ہم جنس پرستی کے جواز کے دلائل تلاش کرنے لگے، اس میں سب سے زیادہ کامیابی کاربوکراٹس کو ملی کہ اس نے خود یسوع مسیح کو اس میں ملوث کر دیا، اور اس طرح اس نے اپنا ایک فرقہ بنایا جس کے نزدیک دو مردوں کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوتا تھا، یہ فکر اتنی عام ہوئی کہ بڑے بڑے پادری برملا اس رشتہ میں بندھتے تھے، تیسری صدی عیسوی میں اس فکر اور فرقہ کو کافی عروج حاصل ہوا، سب سے پہلے اس فکر کی مخالفت پادری آگسٹن نے کی لیکن اس کی مخالفت کا پس منظر بھی دلچسپ ہے، وہ خود ایک دوسرے شخص سے جُڑا ہوا تھا، لیکن اچانک وہ شخص دوسرے شہر منتقل ہو گیا اور وہاں اس نے اپنے لئے دوسرا انتخاب کر لیا، اس پر پادری آگسٹن جل اُٹھا، اور ردعمل میں وہ ہم جنس پرستی مخالفت کا ہیرو بن گیا، لیکن اس فکر کو ختم کرنے میں کلیسا کامیاب نہیں ہو سکا، اور یہ عمل آج بھی موجود ہے بلکہ بعض ملکوں میں قانونی شکل اختیار کر چکا ہے، ایک سروے کے مطابق صرف امریکا میں 16 سال سے لیکر 55 سال کی عمر کے لوگوں میں 10 فیصد ایسے ہیں جو کم از کم تین سال جنس پرستی میں گذارتے ہیں، 4 فیصد ایسے لوگ جو پوری زندگی اسی طرح گذار دیتے ہیں، 7 3 فیصد امریکی، زندگی میں کم از کم ایک بار اس گھناؤنے عمل کو ضرور انجام دیتے ہیں، 19 فیصد خواتین چالیس سال کی عمر تک اس کی مرتکب ہوتی ہیں، 3 فیصد زندگی بھر اس مرض میں گرفتار رہتی ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس میں کوئی دینی حرج نہیں سمجھتے، اس لئے کہ انجیل مرقس کی مذکورہ تحریف اور اسی طرح کی دوسری محرف تعلیمات نے ان کو سند جواز فراہم کر دیا ہے۔(۲)

1-(http://kspark.kaist.ac.kr/jesus%20Sexuality.htm)
2-(http://mcdialogue.net/articles./16.html)



جائزہ

# مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور دوہرا معیار

از ..... انیس احمد ندوی

ادھر تقاضے ہیں مصلحت کے، ادھر تقاضائے دردِ دل ہے
زباں سنبھالیں کہ دل سنبھالیں، اسیر ذکرِ وطن سے پہلے

مغرب مسلمانوں کے خلاف نبرد آزماد ہے، سامراجی طاقتیں اپنے سامراج کی توسیع کے لیے مسلمانوں کو آکہ کار بنا رہی ہیں، انہیں کے نام پر وہ اپنے سامراج کی توسیع میں سرگرداں ہیں، مسلمانوں کے خلاف امریکہ اور برطانیہ سمیت بیشتر مغربی ممالک دہشت، نفرت اور اسلاموفوبیا (اسلام سے خوف) کا ماحول پیدا کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بڑی بڑی اسکیمیں اور سازشیں تیار کرنی پڑتی ہیں، اس لیے جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس میں مسلمان ملوث بتائے جاتے ہوں تو اسے محلی یا قومی اعتبار سے سمجھنے کے بجائے عالمی تناظر میں دیکھنا چاہئے، عالمی تناظر میں دیکھنے سے مسلمانوں کے اوپر لگائے گئے بہت سارے ''حادثات'' کی کہانیاں اور الزامات بے بنیاد ثابت ہو جاتے ہیں، بلکہ خود الٹا اسلام مخالف سامراجی طاقتیں اور MindsetNazi- کے ذریعہ چلائی جانے والی تحریکیں الزام اور شک کے کٹہرے میں کھڑی نظر آتی ہیں، گذشتہ نصف دہے سے عالمی سیاست میں یا ایک دہے سے زائد مقامی سیاست میں مسلمانوں کے خلاف نسلی، نیز قومی عصبیت کے جو دبیز اور گہرے بادل چھائے نظر آتے ہیں، انہیں اسی پس منظر میں دیکھنا چاہئے، یہ ایک حقیقت ہے کہ جب طاقتور اقوام ظالم و جابر کے لقب سے بچنے کے لیے اسلحہ کے ڈائرکٹ استعمال سے گریز کرتی ہے تو وہ گندی سیاست، مکر و خدع، الزام تراشی اور دشنام طرازی کے گھناؤنے دفاتر کھول کر ان میں سے نت نئی گندی فائیں نکالتی ہے۔

یقیناً اب یہ زمانہ قدیم طرز پر لشکر کشائی کا نہیں رہا، موجودہ زمانہ میں سیاست، آزادی و حریت، تہذیب و ثقافت، نیز بحالی حقوق اور جمہوریت کے نام پر فتوحات کی جارہی ہیں، اب تو تہذیبوں کی کشمکش اور ٹکراؤ کا زمانہ شروع ہو گیا ہے، اس وقت مشرق و مغرب کے درمیان تہذیبی تصادم Clash of Civilization واقع ہو چکا ہے، اس تصادم میں چونکہ مغرب طاقتور ہے، اس لیے فی الوقت گیند اسی کے پالے میں ہے، وہ جدھر چاہتا ہے اسے اچھال دیتا ہے، اور جب جیسے چاہتا ہے دوسری تہذیب پر حملہ کرتا ہے اسلام اور مسلمانوں، نیز مسلم ممالک کے خلاف وہ بالکل کھل کر سامنے آگیا ہے۔

مسلمانوں کے خلاف نفرت و دہشت کا ماحول پیدا کرنا مغرب کی پالیسی کا اہم جز ہے، اسی طرح وطن عزیز میں فسطائی طاقتیں اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کی خاطر ایسے ''حادثات'' Stage (باقاعدہ طور پر بنا کر) پیش کرتی ہیں جس سے انہیں اپنے مقاصد کے حصول میں آسانی ہو، ہندوستان میں اور دنیا کے بیشتر حصوں میں Bombing (بم پھوڑنے) کے جو واقعات پیش آتے ہیں اخبارات کے پیش کردہ غیر جانبدارانہ تجزیوں نیز شواہد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے مقصد سے بڑی سخت Monitoring (نگرانی، مراقبہ) میں پیش کیا جاتا ہے، وہ چاہے مکہ مسجد کا واقعہ ہو یا بنارس کی مندر کا، مالیگاؤں کا واقعہ ہو یا ممبئی کی ٹرینوں کا دھماکہ، یا حال ہی میں ہونے والا لندن اور گلاسگو ایئرپورٹ پر ناکام حملہ، کسی بھی واقعہ میں قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ اس کے مرتکبین مسلمان تھے، مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے یہ محض الزام تراشی ہے، چوری کرنے والوں کا ایک بہت پرانا حربہ یہ رہا ہے کہ وہ جب چوری کرنے جاتے تھے تو جوتا کسی کا پہن لیا، ڈنڈا کسی کا لے لیا وغیرہ، جب وہ بھاگے یا کامیاب ہو کر واپس ہوئے تو راستہ میں ڈنڈا چھوڑ دیا اور تھوڑی دور پر جوتا چھوڑ دیا وغیرہ، چور کی تلاش میں جو چیزیں ملیں وہ فلاں فلاں صاحب کی تھیں، لہٰذا یہی لوگ چوری کے اس واقعہ میں ملوث تھے، جب کہ اصل چور کوئی اور ہوتا ہے۔

آج کل کچھ اسی طرح کا منظر نامہ ہے، آپ خود تصور کیجئے قطعی ناقابل یقین بات ہے کہ مسجد میں مسلمان کوئی بم رکھے، جب کہ تحقیقاتی ادارے مسجدوں کے واقعہ میں بھی مسلمانوں کو ملوث بتاتے ہیں، مندر کے واقعہ میں پہلے ہی سے مان لیا جاتا ہے کہ اس کے مرتکبین مسلمان ہیں، ٹرینوں اور Public Place میں اس طرح کے واقعات کو بغیر کسی مضبوط ثبوت کے واقعہ کے فوراً بعد ہی شک کی انگلی کسی مسلم تنظیم یا چند مسلم نوجوانوں کی طرف اٹھا دی جاتی ہے اور تحقیق کرنے والے ادارے بھی جانبداری، عصبیت اور Double Standard (دوہرا معیار) سے کام لیتے ہیں۔

9/11 کا واقعہ اس اسلاموفوبیا مہم کا نقطۂ آغاز سمجھا جاسکتا ہے، خود اس میں اب تک کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اسے مسلمانوں نے انجام دیا، مغرب اپنے اس مقصد کی خاطر مسلمانوں سے اس واقعہ کو جوڑ کر انہیں بدنام کر رہا ہے۔

مالیگاؤں کے مسجد میں ہونے والے واقعہ سے کچھ دنوں قبل اپریل ۲۰۰۶ء میں بجرنگ دل کے دو کارکن نریش کنڈورا اور ہمنشو پھانسے اپنے دیگر انتہا پسند رفقاء ماروتی واگھ، راہل پانڈے، اور رام کیشور کے ہمراہ بم بناتے ہوئے اچانک پھٹ جانے سے مر گئے، تحقیق کرنے والوں نے ناندیڑ کے ایک گھر سے ایک دوسرا بم برآمد کیا جہاں پر بم بنانے کا کام ہو رہا تھا، جو اس بات کا کھلا ثبوت

تھا کہ انتہا پسند اس سے پہلے بھی تخریبی کارروائی کر چکے ہیں، مہاراشٹر پولیس کو اس کا بھی علم ہوا کہ کندورا اور پھانسے اپریل ۲۰۰۶ء میں پربھنی کی ایک مسجد میں بم پھوڑنے میں اہم کردار ادا کئے تھے، اس بم کے پھٹنے سے ۲۵ لوگ زخمی ہوئے تھے اس ناندیڑ دہشت گردی کی یونٹ کے افراد نے ۲۰۰۳ء میں جالنہ اور پرنا کی مسجدوں میں بم پھوڑے تھے جس میں ۱۸ لوگ زخمی ہوئے تھے، بجرنگ دل کی بم بنانے کی بڑھتی ہوئی صلاحیت کو دیکھ کر پولیس کو بڑی حیرانی اور تشویش تھی تاہم مہاراشٹر حکومت نے سیاسی اغراض ومقاصد کے تحت بجرنگ دل کی دھڑ پکڑ سے پہلوتہی کیا اور کانگریس نیشنلسٹ سرکار نے اس پر پابندی لگانے سے گریز کیا" (بحوالہ The Hindu 09.09.2006)

ان حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسجدوں میں بم پھوڑنے کے واقعات بجرنگ دل وغیرہ کی طرف سے کئے جاتے ہیں، تاہم تحقیق کرنے والی ٹیمیں کہیں بھی کوئی واقعہ ہوتو اسے صرف مسلمانوں سے منسوب کرتی ہیں، حقائق سے قطع نظر پولیس نے اور CBI نے بجرنگ دل کے بم بنانے کی فیکٹری کے واقعہ کو ایسا دفنا دیا جیسے کہ اس کا انکشاف نہ ہوا ہو، جب کہ مالیگاؤں کے واقعہ کو جس میں بجرنگ دل کے ممبران کے ملوث ہونے کا عین امکان تھا الٹا مسلمانوں کے سرمنڈھ کر خوب دھڑ پکڑ اور ہنگامہ کیا گیا، کیا یہ دوہرا معیار نہیں ہے؟

اسی طرح ۲۰۰۱ء میں پارلیمنٹ پر حملہ کو لے لیجئے، تحقیق کرنے والی ایجنسیز نے ایک معصوم استاذ S.A.R. گیلانی کو اس واقعہ میں زبردستی پھنسایا اور Pota کی خصوصی عدالت نے دیگر ملزمات سمیت اس پروفیسر کو موت کی سزا سنادیا، اس استاذ کی محض اتنی غلطی تھی کہ پارلیمنٹ پر حملہ سے کچھ دنوں قبل حملہ کے ایک ملزم سے ان کی ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی تھی کیا کسی ملزم سے صرف بات کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بھی ملزم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی اتنا بڑا ملزم کہ موت کی سزا سنادی جائے؟ اس واقعہ سے تحقیقاتی ادارے خود جانبداری اور تعصب برتنے کے الزام میں کٹہرے میں کھڑے ہوجاتے ہیں، بہرحال پورا واقعہ سپریم کورٹ کے حوالہ کیا گیا اور عدالت عظمیٰ نے پروفیسر کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے تمام الزامات سے بری کردیا لیکن تحقیق کرنے والے اداروں نے آج بھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا، اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اکادکا واقعات کو چھوڑ کر پورے ہندوستان میں کہیں بھی گیلانی اور اس طرح کے دوسرے واقعات میں ملزم کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہونے والا کوئی نہیں ( Hindustan Times 21.07.07) جمہوریت، آزادی وحقوق کی پاسبانی نیز غیر جانبداری کے بلند وبالا نعرے کہاں چلے گئے؟

ابھی حال ہی میں ایک کشمیری ماڈل طارق ڈراجس نے بنگلادیش میں اچھی کامیابی حاصل کی، اسے دہشت گردی کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، ۲۰۰۵ء میں دہلی میں ہونے والے Blasts کا اسے ملزم قرار دیا گیا، اس نے تین مہینے جیل کے اندر گزارے، چونکہ اسے بلاوجہ گرفتار کیا گیا تھا اس لیے مجبور ہوکر پولیس نے اعتراف کیا کہ ان کے پاس ملزم کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے، ایک لیڈی جج نے اس کو بری کرنے کا فیصلہ نہایت جذباتی انداز میں سنایا، اس نے کہا کہ "ملزم کے خلاف ایک ذرہ بھی ثبوت نہ ہونے کے باوجود اسے ۹۰ دن قید میں رکھا گیا جو ایک عام آدمی کے لیے پوری زندگی کے مرادف ہے" (ہندوستان ٹائمز، ۲۱ر ۲۰۰۷ء) یہ اس لیڈی جج کے نہایت پاکیزہ جذبات تھے لیکن کیا آپ کو یاد ہے کہ پورے ہندوستان میں کوئی اور بھی اس کے اس غم وغصہ میں شریک ہوا ہو؟ قطعاً ایسا نہیں۔

حال ہی میں پیش آئے ہوئے لندن اور Glasgow کے واقعہ کو لے لیجئے، ایک معمولی سی بے ربط چیز کی وجہ سے ڈاکٹر حنیف کو گرفتار کرلیا گیا، اس کا جرم کیا تھا؟ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ Glasgow کے ناکام حملہ میں جلتی ہوئی جیپ میں اس کا Sim کارڈ پایا گیا جو بذات خود ایک مفروضہ تھا، کیونکہ درحقیقت SIM کارڈ جلتی ہوئی جیپ میں نہیں بلکہ لیورپول میں کفیل کے گھر سے پولس نے لیا تھا اور اس کا بھی انکشاف ہوا کہ آسٹریلیائی فیڈرل پولیس نے حنیف کی ڈائری میں خود سے کچھ مشکوک لوگوں کے نام، پتے وغیرہ لکھ دیا تھا، بہرحال اس کارڈ کی وجہ سے آسٹریلیائی پولس نے حنیف کو حراست میں لے لیا، اسے قید تنہائی میں رکھا گیا، اس نے لاکھ اپنی معصومیت کا ثبوت دیا مگر ایک نہ سنی گئی، اس نے کہا کہ "میں معتدل نظریات وخیالات کا آدمی ہوں، میرا ماننا ہے کہ خون کا ہر قطرہ انسان ہے" گویا کہ اس نے یہ کہا کہ قتل خواہ کسی کا ہو وہ انسان کا قتل ہے اور ایک قطرہ بھی خون بہانا (خواہ کسی کا ہو) انسانیت کے قتل کے مساوی ہے، لیکن آسٹریلیائی پولس نے اس پر ذرا بھی توجہ نہ دی۔

۲۱ر جولائی ۲۰۰۷ء کو ہندو آسٹریلیا کے اخباروں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حنیف کے خلاف Case بالکل بودا اور کمزور تھا، پولیس نے اسے زبردستی قید میں ڈال رکھا تھا، اس کے ساتھ مسلمان ہونے کی وجہ سے زیادتی کی گئی، ستایا گیا اور زبردستی کیس کو طول دیا گیا، اس کے ساتھ نسلی عصبیت کا معاملہ کیا گیا، اسی وجہ سے خود آسٹریلیا کے ممتاز اخباروں نے حنیف کے خلاف حکومت کے رویہ اور کارروائی پر سخت تنقید کی ہے، آسٹریلیا کے ایک ممتاز اخبار The Sydney Morning Herald نے حنیف کے خلاف اس پورے کیس کو بودا اور کمزور بتایا اور اس نے حکومت کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ قومی سلامتی کے نام پر جھوٹا پروپیگنڈہ نہ کرے، اخبار نے مزید یہ بھی تبصرہ کیا ہے کہ شک، شک ہی کو جنم دیتا ہے اور عام لوگوں کا اس کیس کے سلسلہ میں یہ گمان ہے کہ "دال میں کچھ کالا ہے" یعنی لوگوں کو پورے اس واقعہ پر شبہ ہے۔

آسٹریلیائی حکومت پر دوسرا سب سے اہم الزام Double Standard دوہرے معیار کا ہے، واضح رہے کہ حال ہی میں آسٹریلیا میں LTTE کے



تین اہم سرگرم کارکن گرفتار کئے گئے تھے جن پر LTTE کے لیے تعاون وامداد اکٹھا کرنے کا الزام تھا، آسٹریلیائی عدالت نے انہیں ضمانت پر رہا کردیا، جبکہ LTTE اعلیٰ درجے کی ایک زبردست دہشت گرد تنظیم ہے جو عوام اور حکومت دونوں کے خلاف دہشت پیدا کرنے والی ترکیبوں کے استعمال سے ذرا بھی نہیں ہچکچاتی، ہندوستان، ملیشیا، امریکہ، برطانیہ اور یوروپی یونین میں اس پر پابندی ہے یا اسے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا گیا ہے، ایسی دہشت گرد تنظیم کا بیشمر نٹ آسٹریلیا سے اکٹھا ہوتا ہے، جب کہ آسٹریلیا، نول ۲۰۰۱ء میں United Nations Security Concil کے رزولوشن نمبر ۱۳۷۳ کے تحت LTTE کو دہشت گرد تنظیم قرار دے کر اس کے سارے اثاثہ کو منجمد کردینا چاہئے اور اسے ملک بدر کردینا چاہئے، ایک ایسی تنظیم کو درپردہ آزادی دی جاتی ہے، اس کے افراد کو پکڑ کر ضمانت پر رہا کردیا جاتا ہے اور حنیف جیسے معصوم شخص کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اس قدر ستایا جاتا ہے، یہ آسٹریلیا کا نہایت خوفناک دوہرا معیار ہے۔

مسلمانوں کے خلاف، صرف آسٹریلیا، امریکا، برطانیہ بلکہ دیگر مغربی ممالک سمیت ہندوستان میں زبردست دوہرا معیار پایا جاتا ہے، گجرات Pogrom (مذہب کی بنیاد پر ایک بڑی تعداد کا منظم قتل) کے ملزمان آج تک بری ہیں، بابری مسجد کو شہید کرنے والے آج تک آزاد ہیں، سہراب الدین کا فرضی انکاؤنٹر جس میں کئی صوبوں کے اعلیٰ عہدیدار شریک تھے، کیا ظاہر کرتا ہے؟ کشمیر میں لیڈروں مسلمانوں کے فرضی انکاؤنٹرس بات پر دلالت کرتے ہیں؟ یہ سب دوہرا معیار نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ سب تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ بیساختہ شاعر کا یہ شعر یاد آتا ہے جو حالات کی کسی قدر ترجمانی کررہا ہے۔

محبت کی دنیا پہ شام آچکی ہے
یہ پوش ہیں زندگی کی فضائیں
تغافل کے آغوش میں سو رہے ہیں
تمہارے ستم اور میری وفائیں

۱۶ر فروری ۲۰۰۷ء ہندوستان ٹائمز میں ایک مضمون نگار نے لکھا کہ ۱۹۹۳ء کے ممبئی سیریل بم بلاسٹ، ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت نیز دسمبر ۱۹۹۲ء اور جنوری ۱۹۹۳ء کے ممبئی فسادات کا ردعمل تصور کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں جسٹس کرشنا کمیشن کی یہی رائے ہے، سری کرشنا کمیشن اور حقوق انسانی کی تنظیموں نے جن افسران اور پولیس والوں کے خلاف کارروائی کی سفارش کی وہ سب آج تک آزاد ہیں، اگر ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو ملک کی سیکولر روح کو زبردست نقصان پہونچا تو ۸ر دسمبر ۱۹۹۲ء سے ۲۰ر جنوری ۱۹۹۳ء کے درمیان ہونے والے فسادنے ممبئی کو بری طرح زخمی کرکے خوف زدہ کردیا، بلوائی جماعت در جماعت گلیوں اور ننھی سڑکوں پر بڑی خاموشی کے ساتھ حملہ کرکے ایسا فساد مچاتے تھے جو Nazi جرمنی کی یاد دلاتا تھا اور ممبئی پولیس نے قتل، آتش زنی، لوٹ مار اور عورتوں کے تقدس کو ختم کرنے میں بلوائیوں کا بھرپور تعاون کیا، ان سب سے بڑھ کر شرمناک بات یہ ہوئی کہ سیاسی قیادت نہایت خاموشی سے ممبئی کے جلنے کا نظارہ کرتی رہی۔

یہ سب حقائق کیا ظاہر کرتے ہیں؟ یہ دوہرا معیار نہیں تو کیا ہے؟ واضح رہے کہ ممبئی بم بلاسٹ میں کل ۲۵۷ لوگ مرے تھے، جب کہ ۹۲-۹۳ کے ممبئی فسادات میں ۹۰۰ لوگ مرے تھے، ایک طرف قتل، لوٹ مار اور عصمت دری جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والے آزاد ہیں تو دوسری طرف ۹۳ بم بلاسٹ کیس میں TADA عدالت ان حال کو بھی سزا دے رہی ہے جنہوں نے نادانستہ کسی ایسے پارسل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جس میں کچھ غلط مواد تھا، یا معصوم عورتوں کو سزا دی جارہی ہے جنہیں اس ٹیٹ ورک کا قطعاً کوئی علم نہیں تھا، کیا یہی سیکولرازم کا انصاف ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر انصاف کی توہین اور کیا ہوگی کہ وہ تمام ملزمین جنہیں TADA عدالت عمر قید کی سزا سنارہی ہے انہیں فیصلہ کی نقل نہیں دی جارہی ہے جب کہ فیصلہ کی نقل حاصل کرنا ملزم کا قانونی حق ہوتا ہے تاکہ وہ کسی دوسری عدالت میں Petition دائر کرسکے (اگر ایسا چاہے) لیکن اب تک کئی مہینے گزرنے کے بعد بھی کسی ملزم کو فیصلہ کی نقل نہیں دی گئی ہے، کیا یہ انصاف اور حقوق کی پامالی نہیں ہے؟

ہندوستانی جمہوریت اور سیکولرزم کی شاندار عمارت کی بنیاد اس بات پر تھی کہ سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ ہو اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، ۹۳ سیریل بلاسٹ کے مجرمین کو اگر سزا ملتی ہے تو ممبئی، گجرات، میرٹھ، ملیانہ، کے فساد کے ملزمان کو بھی سخت سزا ملنی چاہئے، بابری مسجد کو شہید کرنے والوں کو بھی سخت سزا ملنی چاہئے، ملک کی فضا کو نفرت اور تعصب کے زہر سے مسموم کرنے والے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہوں انہیں سزا ملنی چاہئے، مگر افسوس ہے کہ اس وقت اپنے محبوب وطن کے انصاف وغیر جانبداری کی عمارت متزلزل نظر آتی ہے۔

وقت آگیا ہے کہ عوام تحقیق کرنے والے اداروں سے بھی شفافیت وغیر جانبداری کا مطالبہ کریں اور جمہوریت نیز سیکولرزم کی بنیادوں کو ایک بار پھر سے مضبوط کرنے کی کوشش کریں تاکہ ٹیگور کا ہندوستان کو جنت نشاں دیکھنے کا خواب جو کہ چکنا چور ہوچکا ہے، شرمندۂ تعبیر ہوسکے، ہندوستان میں پھر سے امن وشانتی کی ایسی ہوائیں چلیں جو نفرت وجانبداری، تعصب اور تنگ نظری کی دیوہیکل دیواروں کو منہدم کرکے ملک کی فضا کو محبت، امن وشانتی وہم آہنگی سے معمور کردیں، علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے اشعار ہم سب کے پاکیزہ جذبات کی شاید ترجمانی کرسکیں۔

آغیریت کے پردے اک بار پھر ہٹادیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے واسیوں کی مکتی پریت میں ہے

☆☆☆☆☆

نقطۂ نظر

# یورپ میں آزادی کا تصور

## نومسلمہ ڈاکٹر اسماء بامیلا کے تأثرات

اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے سرفراز فرمایا، اسلام وہ مثالی دین ہے، جس نے عورت کو پاکدامنی اور شرافت کی چادر میں ڈھک رکھا ہے، اور عورت کی حفاظت جس طرح بھی ممکن ہوسکتی ہے، چاہے یہ نوخیزی کا وہ زمانہ ہو جس میں خواہشات اور شہوات وجذبات کا ایک طوفانِ بلاخیز سینہ میں موجزن ہوتا ہے، اور عورت تمام لوگوں کی خواہش ہوتی ہے، یا بڑھاپے کا زمانہ ہو جب ہر طرح کی خواہشات سے انسان خالی ہوجاتا ہے اسلام نے اس کی حفاظت کی ہے، اطمینان وسکون عطا کرنے کے ساتھ اس مثالی دین نے مجھے نفسیاتی ومعاشرتی طور پر بھی محفوظ مقام عطا کیا، ان کلمات کا اظہار امریکی تعلیم کی ماہر ڈاکٹر اسماء بامیلا نے اخبار "العالم الاسلامی" کو اپنے اسلام قبول کرنے کے واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

اور انہوں نے ان اسباب پر بھی روشنی ڈالی جن کی وجہ سے انہوں نے اپنے خاندان اور معاشرہ کے چیلنج کا مقابلہ کیا، اور مغربی وامریکی میڈیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت کچھ سننے اور دیکھنے کے باوجود انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔

### کائنات کے راز

سب سے پہلے میں نے ڈاکٹر اسماء بامیلا سے یہ سوال کیا: آپ اسلام سے کیسے واقف ہوئیں؟

آپ دوسری امریکی عورتوں کی طرح اطمینان بخش زندگی گزار رہی تھیں، اور آپ کے یہاں سماجی اور نفسیاتی کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا پھر کس چیز نے آپ کو اس دین کے قبول کرنے پر آمادہ کیا؟

اسلام سے واقف ہونے یا پھر نسلی دین کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کی تلاش وجستجو کے لیے کسی پریشانی میں مبتلا ہونا ضروری نہیں ہے، انسان جب بھی بہت زیادہ غور وفکر کرتا ہے تو صحیح فکر اس کی ایسے وصف کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو اس کی زندگی میں اس کے لیے مثالی ثابت ہو۔

ہمارے اردگرد کائنات میں بہت سے ایسے مظاہر ہیں جو انسان کو بعض اسرار اور ان خفیہ طاقتوں کے بارے میں جو اس پر کنٹرول کررہی ہیں اور اس کا نظام بہت تناسب کے ساتھ چلا رہی ہیں غور وفکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

انہی سب کے حصول کے لیے ایسا انسان جو عقل مند ہو، اپنے مذہب کے سلسلہ میں متعصب نہ ہو وہ تلاش وجستجو کرتا ہے، جہاں تک میرا تعلق ہے، میں بھی امریکی عورتوں کی طرح تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ تہذیب وثقافت سے بھی آشنا ہوں، میرے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ غور وفکر کے دامن کو پکڑنے کے ساتھ تلاش وجستجو اور مطالعہ سے بھی میں اپنے کو آراستہ کروں، اسی غور وفکر، تلاش وجستجو اور مطالعہ نے اسلام کے سلسلہ کی صحیح معلومات سے مجھے آشنا کیا، میں نے امریکہ میں پائی جانے والی بعض انگریزی کتابوں سے اسلام کے مطالعہ کا سلسلہ شروع کیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہوا کہ میں امریکی شوہر سے علاحدگی اختیار کرلوں، جب میں نے مسلمان عورت کے حقوق کے بارے میں پڑھا اس وقت اسلام سے میری واقفیت بہت بڑھ گئی اور میں نے قاہرہ میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، اور ایک مصری انجینئر سے جس کے ساتھ میں اس وقت مقیم ہوں شادی کرلی۔

### مسلمان شوہر اور امریکی شوہر میں فرق کا علم مجھے

شادی کے بعد ہوا، مسلمان شوہر جو اپنی بیوی کی حفاظت کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار رہتا ہے، اور ہر قسم کے انحراف اور گراوٹ کے وسائل سے اس کو محفوظ رکھتا ہے، جب کہ اس کے برعکس غیر مسلم شوہر اپنی بیوی سے بزنس کے اصول کے مطابق منافع کے تبادلہ کا معاملہ کرتا ہے۔

یورپ کے پروردہ شخص کی نظر میں شادی ایک ایسی شرکت ہے جو کہ مصالح اور منافع کے بدل پر انجام پذیر ہوتی ہے اور بیوی اس کی نظر میں محض ایک سامان کی حیثیت رکھتی ہے، اور وہ بھی خاندان کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام میں شادی کا مقصد آپس میں محبت کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا ہے، اور ایک دوسرا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے معاون بننے کے ساتھ ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ رکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حمایت اور امن وسلامتی کے تمام وسائل بیوی کو اسلام میں حاصل ہوجاتے ہیں۔

سوال: امریکی شوہر سے آپ کو جو پریشانیاں لاحق تھیں کیا یہی آپ کے قبول اسلام کا سبب ہوئیں یا اس کے کچھ اور بھی اسباب تھے؟

جواب: امریکی شوہر سے مجھے جو پریشانیاں لاحق ہوئیں اور اس کا جو تلخ تجربہ مجھ کو ہوا صرف وہی اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کا بنیادی سبب نہیں ہوا، لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی صورت میں یہ بھی اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کا سبب بنا۔

امریکی اور مغربی عورت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کو نہ معاشرتی اطمینان حاصل ہے، اور نہ ہی نفسیاتی اعتبار سے وہ اپنے کو محفوظ سمجھتی ہے، کیونکہ وہ مادیت پرستی اور نفع اندوزی پر مبنی معاشرتی اور اقتصادی نظام کے تحت زندگی گزارتی ہے، یہ اصول زوجین کے پاک رشتے میں بھی کارفرما ہوتا ہے۔

دوسری جانب زوال پذیر اقدار کا ایسا سیل رواں ہے، جس نے پورے یورپی معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور اس میں اکثر عورتوں کو قربانی کا بکرا بننا پڑتا ہے، اور عورت ہی کو تنہا اس کی قیمت چکانی پڑتی ہے، جب شوہر اپنی بیوی کی پوری طرح حفاظت کرنے سے عاجز رہتا ہے تو اس کی بیوی اپنی حفاظت کی خاطر کسی دوسرے شخص سے تعلق قائم کرلیتی ہے، لیکن اس کے شوہر کو نہ اس کی پرواہ



ہوتی ہے اور وہ اپنی بیوی کو سمجھانے بجھانے کی کوشش بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے مردانہ احساسات حرکت میں آتے ہیں، بلکہ وہ اس فعل کے جواز کے لیے عذر لنگ تلاش کرکے اپنے راحت وآرام کے لیے کسی ایسی عورت کو جو کسی دوسرے شخص کی بیوی ہوتی ہے، تلاش کرلیتا ہے۔

یہی وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے یورپی عورت وہ حفظ وامان جو ایک مسلمان عورت محسوس کرتی ہے محسوس ہی نہیں کرسکتی ہے، میں دونوں تجربوں سے گزر چکی ہوں، غیر مسلم عورت خاص طور پر مغربی معاشرہ میں جو کچھ محسوس کرتی ہے اور مسلمان عورت نفسیاتی اور معاشرتی اعتبار سے جو اطمینان وسکون اور حفظ وامان محسوس کرتی ہے، میں نے اس کے فرق کو نمایاں طور پر محسوس کیا ہے۔

سوال: امریکی اور مغربی معاشرہ میں مسلمان عورت کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اور ذرائع ابلاغ اور ثقافتی حلقوں نے جس طرح مسلمان عورت کو پیش کیا ہے، آپ کی گفتگو اس سے الگ نوعیت کی معلوم ہوتی ہے، مغربی معاشرہ اور مغربی ذرائع ابلاغ جب یورپی عورت کے سلسلہ میں گفتگو کرتا ہے تو وہ یورپی عورت کو ایسی مثالی اور صاحب تقلید عورت کی شکل میں پیش کرتا ہے جو کہ آزادی اور اطمینان کی زندگی گزار رہی ہوتی ہے اور مسلمان عورت کو نہایت ہی پسماندہ طبقہ سے متعلق بناکے پیش کیا جاتا ہے، آپ کے نزدیک اس کے کیا اسباب ہیں؟ اور ایسا کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: یہ ایک فطری بات ہے، یورپ میں لوگ اسلام کو آخری آسمانی دین نہیں مانتے ہیں، جب کہ ہم لوگ عیسائی مذہب کو مانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام سے جنگ کرتے ہیں، امریکی اور مغربی ذرائع جو کچھ شائع کرتے ہیں وہ اسکے ذریعہ اسلام کی شکل بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کا بڑا سبب ذرائع ابلاغ پر صیہونیوں کا قبضہ ہوتا ہے، اور صیہونیوں کو اسلام سے موسوم ہر چیز سے سخت نفرت ہے، اور اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں کینہ ہی کینہ ہے، اور مغربی ذرائع ابلاغ اور مغربی تعلیم یافتہ حلقے مسلمان عورت کی جو خراب تصویر پیش کرتے ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

جہاں تک یورپی عورت کا تعلق ہے جب کہ میں کہہ چکی ہوں کہ اس کو متعدد قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس کو جوانی پھر اس کے بعد جسمانی اور نفسانی بڑھوتری کے مرحلہ میں اپنے خاندان میں آزادی کی غلط تطبیق کے نتیجہ میں مختلف قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، پھر اپنے اس شوہر کی طرف سے پریشانیوں کو جھیلنا پڑتا ہے جو بدمعاملگی کرتا ہے اور مارتا پیٹتا ہے، اور اس پر اکتفا نہیں کرتا ہے، جبکہ اس کی بیوی ایک عورت کی طرح اس کی خواہشات بھی پوری کرتی ہے، جس آزادی کی بات یورپ میں کی جاتی ہے وہ عریانیت کی اور ناجائز جنسی تعلقات کی آزادی ہے، اور اس سماجی نظام میں جس میں ازدواجی زندگی میں عورت کی خیانت کا احترام کیا جاتا ہو، اور اس کے لیے پورے وسائل فراہم کئے جاتے ہوں سماجی استحکام کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

اور یہ عورت بچوں اور جوانوں کی نگاہوں میں نمونہ کیسے بن سکتی ہے، مغربی اور امریکی میڈیا اسلام اور اس میں عورت پر ظلم کے بارے میں جو خبریں بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا اس نے مجھے بہت متاثر کیا تھا، اور ہمیشہ میں یہ سوال کرتی تھی کہ اگر اسلام کی یہی تصویر ہے تو عربی اور اسلامی ملکوں میں عورت کو ہم مغرب سے زیادہ مطمئن اور خوشحال کیوں محسوس کرتے ہیں، شوہر کے کسی دوسرے ملک چلے جانے یا اس سے الگ رہنے کی صورت میں عورت اس کی اولاد کی تربیت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر کیوں اپنی قربانی پیش کرتی ہے اور کیا وجہ ہے کہ یورپی اور امریکی عورتوں کی بنسبت مسلمان عورتوں میں جرائم کی تعداد بہت کم ہے اور کیوں مسلمان عورت ذہنی اور نفسیاتی امراض کے ساتھ جوڑوں کے امراض کی بھی شکایت نہیں کرتی ہے جب کہ یہ امراض خطرناک حد تک امریکی اور یورپی معاشرہ میں بڑھ رہے ہیں، اس طرح کے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے تھے، اور میں عورت کے سلسلہ میں اسلامی ظلم کے پروپیگنڈہ کو سنتی رہتی تھی، اور جس وقت میں نے کینہ کا غیر جانبدارانہ اور موضوعی مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مغرب میں اسلام پر کتنا ظلم کیا جارہا ہے اور صیہونی ذرائع ابلاغ اس کی شکل کو کتنا بگاڑ کر پیش کررہے ہیں۔

### اسلام کو بگاڑ کر پیش کرکے لوگوں کو صحیح راستہ سے ہٹانا

سوال: اسلام کو بگاڑنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے جو حربے ہیں جن کے بارے میں آپ گفتگو کررہی تھیں اس صورت حال میں مغربی یا امریکی عورت کس طرح صحیح اسلام تک رہنمائی حاصل کرسکتی ہے؟

جواب: اسلام کے خلاف یورپ کی جو سخت ظالمانہ پروپیگنڈہ مہم ہے، اس نے مغربی معاشرہ کو جتنا متاثر کیا ہے اسے ہمیں کم نہیں سمجھنا چاہئے، صحافتی ذرائع نے پورے معاشرہ کو متاثر کررکھا ہے بلکہ دراصل صحافتی ذرائع ہی کا اس پورے معاشرہ کی اکثریت کے دل ودماغ پر قبضہ ہے، خاص طور پر نوجوان نسل جن پر تہذیب وثقافت کے سدھارنے اور مطلوبہ معلومات کے حاصل کرنے میں اعتماد کیا جاتا ہے، وہ پوری طرح سے میڈیا (Media) کے چنگل میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس ملک کے باشندوں کو اسلام کی صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے سلسلہ میں پہلے سے پُرامید نہیں ہوا جاسکتا ہے بلکہ یہ بہت مشکل کام ہے جس کے لیے سخت محنت اور زبردست وپرتاثیر صحافتی وسائل پر قادر ہونا بھی ضروری ہے اور ذرائع ابلاغ کے ایسے وسائل ہونے چاہئیں جو ہر قسم کی رکاوٹوں کو ختم کرنے اور یورپی وامریکی گھروں کے اندر داخل ہوکر اس کے رہنے والوں کے لیے اسلام کی حقیقی شکل پیش کرنے پر قادر ہوجائیں، مغربی معاشرہ کو اسلام کی طرف موڑنے میں جو چیز معاون ہوسکتی ہے الحمد للہ مسلمان اس پر قادر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دولت اور مادی وسائل عطا کررکھے ہیں، وہ یہودیوں کو حاصل کردہ وسائل سے بہت زیادہ ہیں۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان سرمایہ دار اپنا سرمایہ دین کے دفاع میں نہیں لگاتے ہیں اور نہ ہی اپنے معاشرہ کی مصلحت کی خاطر سرمایہ داری کرتے ہیں۔

اسی طرح یورپی زبانوں میں اسلامی ثقافت کی کتابوں کی اشاعت کا انتظام ہونا چاہئے اور ان کتابوں کی

تیاری کا کام کسی اعتدال پسند اسلامی تنظیم کی زیر نگرانی ہونا چاہئے، اور اگر یہ کام ان ملکوں میں رہنے والوں پر چھوڑ دیا گیا تو وہ اس کو انجام نہیں دے پائیں گے، اور نہ وہ صحیح اسلام کی ترجمانی کرسکیں گے، کیوں کہ یورپ میں مسلمان ایک حالت میں نہیں ہیں۔

میں نے امریکہ میں شائع ہونے والی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ غلط ترجمانی کررہی ہیں، وہ کتابیں اسلام سے دور کرنے والی ہیں، اگر میں پہلے سے اسلام سے پوری طرح واقف نہ ہوتی تو میں ان کتابوں کی وجہ سے اسلام ہی سے بدگمان ہوجاتی۔

### معلم خاتون کی صورت حال

سوال: مصر اور بعض اسلامی ملکوں میں آپ کا قیام رہا، اس قیام کے دوران آپ نے مسلمان عورت کی جو حالت دیکھی اس پر آپ کیا تبصرہ کریں گی؟

جواب: اسلام قبول کرنے سے پہلے میرے ذہن میں مسلمان عورت کی تصویر یہ تھی کہ وہ نہایت ہی پسماندہ ہوتی ہے، خادمہ کی حیثیت سے شوہر کی خواہشات پوری کرنے اور گھر کے کام کرنے کے سوا زندگی میں اس کا اور کوئی کردار نہیں ہے، اور یورپ میں لوگوں کے ذہنوں میں مسلمان عورت کی یہی تصویر ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ امریکی اور یورپی میڈیا نے مسلمان عورت کی یہی تصویر کشی کی ہے، میڈیا بعض ایسے متشدد علماء کی آراء کو نقل کرتا رہتا ہے جو عورت کو گھر میں قید رکھ کر ہر چیز کو حرام قرار دیتے ہیں حتی کہ عورت کی آواز کو بھی حرام قرار دیتے ہیں، لیکن مصر میں رہنے اور بعض اسلامی ملکوں میں متعدد عورتوں سے ملاقات کرنے کے بعد میں نے بالکل اس کے برعکس صورت حال دیکھی، زندگی کے میدانوں میں مسلمان عورت کا بہت زیادہ عمل دخل ہے، اور مسلم ملکوں میں اس کو بڑے مرتبہ حاصل ہیں، اور عورتوں میں ماہرین فن بھی ہیں، اور بعض میدانوں میں ان کو مردوں پر سبقت حاصل ہے، مختلف امور میں ان کی رائے اور فکر کو اہمیت حاصل ہے، اور ایسے معاملات میں اس کی رائے شامل حال رہتی ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ مسلمان عورت کو تعلیمی میدان میں ابھی اور زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مردوں کے مقابلہ میں تعلیم کار جحان عورتوں میں کم ہے، اور یہ چیز مشارکت میں اثر انداز ہورہی ہے۔

ملک کی ترقی میں عورت ایک مثبت پہلو رکھتی ہے، جس معاشرہ میں وہ زندگی گزارتی ہے اس میں شوہر سے تعلقات اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بھی اس کا مثبت کردار ہی اثر ڈالتا ہے، اسی وجہ سے مسلمان عورت کی تعلیم کے سلسلہ میں بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے چاہے یہ اہتمام گھر ہی پر ہو۔

### عورت کے کام کے میدان

سوال: مسلمان عورت کے کام کرنے کے سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ ان علماء ومربین کی رائے سے اتفاق کرتی ہیں جو عورت کے گھر کے وہ امور جو معاشرہ سے ناپید ہوچکے ہیں، کرنے کو کہتے ہیں؟

جواب: چھ سال سے میں مصر میں رہ رہی ہوں، مسلمان خاندان کی جو مشکلات ہیں ان سے بھی میرا واسطہ رہا ہے، اور شوہر وبیوی کے درمیان جو کچھ اختلافات کام کرنے کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے ان سے بھی میرا سابقہ رہا، (ان سب چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد) میں اس نتیجہ تک پہونچی ہوں کہ جس وقت ہم گھر کے اندر کے تمام معاملات عورت کے سپرد کرتے ہیں تو ہم بہت سے معاملات سے بے پرواہ، لاتعلق ہوجاتے ہیں۔

اور میں بعض ایسے خاندانوں کو جانتی ہوں جن کو باپ کے غائب رہنے اور باہر رہ کر کام کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ اور پیچیدہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے گھر کی تمام ذمہ داریاں اپنی بیویوں پر چھوڑ رکھی ہیں اور بیوی گھر کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے باوجود بچوں کی پرورش کے لیے بھی اپنا وقت نکالتی ہے، لیکن بچوں کی حد سے بڑھی ہوئی شرارتوں کے سامنے وہ بے بس ہوجاتی ہے، یہی سب وجوہ ہیں کہ عورت باہر تو نا کام رہتی ہی ہے گھر کی ذمہ داریوں کو بھی اچھے طریقے سے انجام نہیں دے پاتی ہے۔

سوال: تعلیم کو ترقی دینے کے جو وسائل ہیں، ان سے تو آپ باخبر ہیں ہی لیکن خاص طور پر تعلیم کی ابتدائی مراحل کے سلسلہ میں آپ کی جو واقفیت ہے اس کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ بتائیں کہ مسلمان عورت کی صورت حال کو تعلیمی وثقافتی معیار کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح ہم ترقی دے سکتے ہیں؟

جواب: عورت کا جہاں تک تعلق ہے تو علمی اور ثقافتی میدان میں اس کی حیثیت وہی ہے جو مردوں کی ہے کسی بھی علم کا اس سے چھپانا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے، مسلمان عورت کو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ تہذیب وثقافت سے بھی آراستہ ہونا چاہئے، اور جو میدان اس کی طبیعت کے موافق ہو، اور اس کی نسوانیت سے میل کھاتے ہوں اسے اس میں بھی قدم رکھنا چاہئے، یہ اس کا حق ہے، اور اس سے نوجوان عورت کی فکری صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا، اور اس کی ذہن سازی بھی ہوگی اور اپنے مناسب میدانوں میں مہارت بھی حاصل کرسکے گی، اور معاشرہ کے لیے بھی مفید بنے گی۔

مسلمان عورت کے کام کرنے کے بہت سے میدان ہیں، عورت مربی بھی بن سکتی ہے اور معلم بننے کی بھی اس میں صلاحیت ہے، اور اس کے علاوہ ایک کامیاب داعیہ بننے کی بھی وہ پوری طرح اہل ہے، خاص طور پر عورتوں کے درمیان وہ داعیہ کا کردار زیادہ اچھے طریقے سے ادا کرسکتی ہے، اور اگر وہ عورتوں اور بچوں کے امراض میں مہارت حاصل کرلے تو ایک بہترین ڈاکٹر بن سکتی ہے، اور تجارت کے میدان میں عورتوں اور بچوں کے لباس کی تجارت میں بھی وہ اہم رول ادا کرسکتی ہے، عورت کی طبیعت کے موافق بہت سے کام ہیں، لیکن افسوس کہ کوئی تعلیمی اسکیم نہیں ہے، اس کی وجہ سے بہت سے اسلامی ملکوں میں ان میدانوں میں عورتوں کے درمیان کوئی کوشش نہیں پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے مجھے مصر میں عورتوں کو مردوں کے کرنیوالے کاموں کو کرتے دیکھ کر دکھ ہوا۔

ترجمہ: مسعود حسن حسنی ندوی



وفیات

# مولانا ناصر علی ندوی مرحوم کی چند خصوصیات

از ..... محمد زید مظاہری ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث جناب مولانا ناصر علی صاحب ندوی لکھنوی یکم جون ۲۰۰۷ء جمعہ کے دن تقریباً آٹھ بجے صبح اس دارفانی سے دارباقی کی طرف رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، شیخ موصوف علمائے سلف کی یادگار، بہت سی خصوصیات واوصاف کے حامل تھے، بزرگوں کے علمی وعملی کمالات اوران کے خصوصی اوصاف ہی ہوتے ہیں جن کے تذکرے سے بعد والوں کو رہنمائی ملتی ہے اوران خصوصی اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے، اسی غرض سے علماء ومشائخ کے حالات قلمبند کئے جاتے ہیں، مولانا موصوف کے ہزاروں تلامذہ ہیں جو ملک وبیرون ملک کے مختلف خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں، تلامذہ کو اپنے اساتذہ سے خصوصی تعلق ہوتا ہے اس لیے مولانا مرحوم کے خصوصی اوصاف کا تذکرہ دوسروں کے علاوہ تلامذہ کے حق میں خاص طور پر انشاء اللہ مفید ہوگا، اسی مناسبت سے مولانا موصوف کے چند احوال واوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے جو احقر کے علم ومشاہدہ میں آئے، شاید اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں اس کو خیر کا ذریعہ بنادے۔

### تواضع وعبدیت

۱۴۰۳ھ میں جب احقر نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اس وقت غائبانہ طور پر بعض طلبہ سے سنا کرتا تھا کہ ندوہ میں ایک استاذ ہیں ان کے اندر بڑی سادگی ہے، محنت وجفاکشی کے بڑے عادی ہیں، وہ بکریاں بھی پالتے ہیں، اس کے چارہ پانی کا انتظام بھی خود ہی کرتے ہیں، گھر کے کام بھی انجام دیتے ہیں، سائیکل چلا کر ندوہ آکر حدیث وفقہ کی بڑی کتابیں بھی پڑھاتے ہیں، مولانا مرحوم کی یہ متواضعانہ صفات ایسی تھیں جن کی وجہ سے فطرۃً دل میں ان کی قدر ومحبت اور عظمت پیدا ہوگئی، اوران سے ملاقات وقرب کا اشتیاق بڑھنے لگا، دورہی دور سے مولانا کو دیکھتا تھا کہ یہ وہ بزرگ ہیں جو نبی کی سنت کے مطابق بکریاں پالتے اوران کی خدمت کرتے ہیں اور مختلف علوم وفنون میں مہارت بھی رکھتے ہیں، بڑی عبرت کی نگاہوں سے ان کو دیکھا کرتا تھا، مولانا کی زندگی سے جو پہلا سبق ملا وہ خاکساری، تواضع وعبدیت کا تھا کہ تکبر کا نام ونشان نہیں، نام ونمود شہرت سے کوسوں دور، بعد کے دوروں میں مولانا قضاء وفتویٰ کا کام انجام دیتے تھے، ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تھے، استاذ الاساتذہ تھے لیکن اپنے کو کمتر اور معمولی سمجھتے تھے، ٹھیک اسی دعاء کا پورا کا مصداق اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً کیا ٹھکانہ ہے اس فنائیت اور شان عبدیت کا کہ دارالعلوم ندوہ العلماء جیسی شہرہ آفاق دینی درسگاہ کا شیخ الحدیث اور سائیکل پر بیٹھ کر خود چلا کر چلا آتا ہے اوراس کے باوجود اس کی شخصیت ایسی دلآویز اور بارعب کہ ہر شخص ان کو قدر ومحبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اوران کی عظمت کا سکہ دلوں میں بیٹھا ہوا ہے، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

### محنتی طلباء کی قدر اور افراد سازی کا اہتمام

احقر اس وقت درجہ عالیہ ثالثہ ادب کا طالب علم تھا، کوئی گھنٹہ احقر کا مولانا کے پاس نہ تھا، علیا درجہ کی بعض کتابیں "حسامی" وغیرہ مولانا پڑھایا کرتے تھے جو اس وقت تخصص فی الفقہ میں داخل تھیں، احقر جامعہ عربیہ ہتورا سے یہ کتاب پڑھ کر اور مظاہر علوم سہارن پور سے افتاء کر کے آیا تھا، تفسیر وحدیث کے بعد فقہ وفتویٰ سے خاص دلچسپی تھی، مولانا کی فقہی بصیرت، فنی مہارت کے چرچے سن رکھے تھے اس لیے ان کے درس سے مستفید ہونے کا اشتیاق ہوا، چنانچہ احقر اگرچہ عالیہ ثالثہ ادب کا طالب علم تھا لیکن مولانا کے گھنٹہ میں حسامی کے سبق میں بیٹھ جاتا تھا، درجہ میں چند شرکاء اور بھی تھے، باوجودیکہ اس درجہ میں میرا نام نہ تھا لیکن میری دلچسپی اور شوق کی بنا پر مولانا بڑی قدر اور محبت فرماتے تھے، دوران درس احقر مولانا سے مختلف سوالات اور اشکالات کرتا، مولانا پوری توجہ سے سنتے اور جواب دیتے، حسامی خالص فقہ حنفی کی کتاب ہے، مولانا اس کے وکیل اور ترجمان ہوتے، اس سوال وجواب میں بسا اوقات گھنٹہ ختم ہوجاتا لیکن مولانا کبھی اس کا احساس نہ فرماتے اور پوری بشاشت سے احقر کی بات سنتے اور جواب دیتے، یہ بھی خیال نہ فرماتے کہ میں تو اس درجہ کا طالب علم نہیں، سماعت کی غرض سے شریک ہوں، بلکہ میرے شوق کی بنا پر دوسروں سے زائد میری طرف توجہ فرماتے، بات ادھوری رہ جاتی، وقت ختم ہوجاتا، دوسرے دن پھر سلسلہ شروع ہوتا، مولانا کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ طالب علم کسی طرح سمجھ جائے اور کام کی بات اس کے ذہن میں بیٹھ جائے اور طالب علم کچھ کام کا بن جائے، محنتی اور ذہین طلبہ کی مولانا بڑی قدر فرماتے اوران کی طرف خصوصی توجہ رکھتے تھے، ان کے معقول سوالات کو نظر انداز کرنے اور ٹالنے کی کوشش نہ فرماتے،

بلکہ سمجھا کر مطمئن کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اس طرح مولانا افراد سازی کا بھی کام انجام دیتے تھے۔

### خودرائی اور تفرد سے کلی اجتناب

مولانا کی ایک خوبی یہ تھی کہ کمالِ علمی کے باوجود خودرائی اور تفرد سے اجتناب فرماتے تھے، فقہ وفتاویٰ سے خصوصی مناسبت تھی، حالات حاضرہ سے واقفیت رکھتے تھے، تمام ضرورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے فتاویٰ فقہ حنفی کے مطابق ہوتے تھے، فقہاء نے جو تصریحات فرمادی ہیں آپ اسی کے مطابق فتویٰ دینے کا التزام فرماتے تھے، اس کے مقابلہ میں خودرائی اور منفردانہ حیثیت سے کبھی آپ نے کام نہیں لیا۔

### سادگی وجفا کشی اور اتباع سنت کا اہتمام

مولاناؒ کی ایک بڑی خوبی اور وصف کمال سادگی اور اس کے ساتھ اتباع سنت کا اہتمام تھا، بذاذت وسادگی کو حدیث پاک میں جزء ایمان قرار دیا گیا ہے، محنت وجفاکشی کی عادت اور جسم پرستی سے احتراز اللہ کے خاص بندوں کی علامات ہیں، فرمایا گیا ہے، نیز عمیق علم کے ساتھ تکلفات سے دوری کو صحابہ کرام کے خصوصی اوصاف میں شمار کیا گیا ہے، انکی شان میں وارد ہوا ہے "اعمقهم علماً اقلهم تكلفاً" مولاناؒ میں یہ ساری خوبیاں کامل طور پر پائی جاتی تھیں۔

مولاناؒ باوجودیکہ لکھنؤ کے باشندے، لکھنؤ کی تہذیب سے آشنا ومانوس اور نہایت نفیس مزاج رکھنے والے اور لطیف ادراک والے تھے لیکن اس کے باوجود البلاذة من الایمان کے تحت سادگی کا عالم یہ تھا کہ آپ کا لباس قیمتی اور عمدہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ ہوتا تھا، ٹوپی دپلی، کرتہ قدرے لمبا، اتباع سنت کا عالم یہ تھا کہ پوری زندگی میں مولانا کا لباس کبھی ٹخنوں سے نیچے نہیں دیکھا گیا، ٹخنوں سے کچھ زیادہ ہی اوپر ہمیشہ دیکھا گیا، محنت اور جفاکشی کا عالم یہ تھا کہ اپنا کام مولانا خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی تھے، بکریوں کو چارہ دینے، پانی پلانے، دودھ دوہنے سے مولانا کو عار نہ تھا، کئی کلومیٹر کی مسافت طے کرکے خود سائیکل چلا کر مولانا ندوۃ العلماء تشریف لاتے تھے اور ٹھیک وقت پر بلکہ کچھ وقت سے پہلے ہی ندوہ پہنچ جاتے تھے، ایسی استقامت کو بزرگوں نے فوق الکرامۃ قرار دیا ہے۔

### تقویٰ وتدین

مولاناؒ کی ایک بڑی خوبی تقویٰ وتدین کا اہتمام تھا، تقویٰ وتدین کا مفہوم عموماً لوگ ذکر وتلاوت، نوافل کے اہتمام اور کثرت عبادت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل تقویٰ معاملات کی صفائی اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہے، اس کے بغیر آدمی متقی بن ہی نہیں سکتا، مولاناؒ کو صفائی معاملات اور ادائے حقوق کا بڑا اہتمام تھا، مولاناؒ طلباء کو امانت اور وقت پر سبق پڑھانے کو حق واجب سمجھتے تھے، اس بنا پر مولانا کو وقت کی پابندی اور ناغہ سے بچنے کا اس قدر اہتمام ہوتا تھا کہ سبق کا ناغہ تو آپ کے یہاں ہوتا ہی نہ تھا بلکہ ہمیشہ وقت سے کچھ پہلے ہی آپ درجہ میں پہنچ جاتے تھے، طلبہ بھی مولانا کی عادت ومعمول سے واقف ہو چکے تھے، اس لیے وہ بھی ہمیشہ وقت پر پہنچنے کے عادی ہوگئے تھے، مختلف جلسوں اور پروگراموں کی بنا پر طلبہ کے نقصان کو آپ برداشت نہ فرماتے تھے۔

دیانت کا عالم یہ تھا کہ دارالافتاء ودارالقضاء جس کے آپ ذمہ دار رہے تھے وہاں کی اشیاء، سادے کاغذ، لفافے، فون وغیرہ کبھی آپ اپنی ذات کے لیے استعمال نہ فرماتے تھے، مدرسہ کی اشیاء کو آپ امانت اور اسکے غلط استعمال کو آپ خیانت سمجھتے تھے، یہی تقویٰ کا سبق آپ طلبہ کو بھی سکھاتے تھے، امتحان کے موقع پر طلبہ کاپیاں لکھ کر لاتے اور دوسری کاپی طلب کرتے مولانا اس کو دیکھتے اور تھوڑا حصہ بھی اس کا سادہ ہوتا تو مولانا فرماتے پہلے اس کو پُر کرو پھر دوسری کاپی لینا، اس کے بغیر دوسری کاپی مولانا ہرگز نہ دیتے۔

### چھوٹے اساتذہ کا احترام اور قدردانی

مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کے متعدد تلامذہ جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد ہونے کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے، باوجودیکہ ہر لحاظ سے مولانا سے چھوٹے ہوتے تھے لیکن مولانا ان کا بھی بڑا لحاظ فرماتے تھے، کسی کو نہ سے یہ بات نہ ظاہر ہونے دیتے کہ یہ تو کل کے میرے شاگرد ہیں آج استاد بن کر آگئے، اسکا ظہور خاص طور پر اس وقت ہوتا تھا کہ بسا اوقات بعض اساتذہ مولانا سے کسی کتاب کو حل کرنے کے لیے مولانا کے پاس پہنچ جاتے تو مولانا ان کا بڑا لحاظ فرماتے، جس کام میں لگے ہوئے ہوتے اس کو چھوڑ کو فوراً اس کی طرف توجہ فرماتے، کتاب کی عبارت دیکھتے حل کرتے اور سمجھا دیتے، اور کسی طرح پوچھنے والے استاد کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیتے کہ اسے آتا نہیں، معمولی سی بات پوچھ رہا ہے، ادنیٰ درجہ کی حقارت کا شائبہ بھی نہ آنے دیتے، اور ایسا انداز نہ اختیار فرماتے جس سے اس کو خفت یا دل شکنی ہو، بلکہ اس کی دلجوئی اور ہمت افزائی فرماتے، اگر کسی مقام کے حل کرنے میں کچھ تردد ہوتا تو اس کے اظہار اور لاادری کہنے سے بھی مولانا کو عار نہ ہوتا تھا، مولاناؒ کی یہ خوبیاں ایسی تھیں کہ بکثرت نوجوان اساتذہ مولانا سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

### خوش مزاجی وملنساری

مولاناؒ باوجودیکہ تدریسی انہماک اور علمی مشاغل کی وجہ سے اکثر وبیشتر بلاضرورت لوگوں سے ملنا پسند نہ فرماتے تھے، مجلس آرائی اور تذکرہ وتبصرہ کے لیے مولانا کے پاس وقت میں گنجائش ہی نہ ہوتی تھی اس لیے مولانا عموماً خاموش مزاج اور ہر وقت کام میں لگے رہنے کے عادی تھے، لیکن اس کے باوجود جب ہم عمر اساتذہ سے



باہمی ملاقاتیں ہوتیں یا کسی موقع ومناسبت سے اجتماع کی نوبت آجاتی اس وقت مولانا بڑے ہشاش بشاش، خوش مزاج، ملنسار نظر آتے، ہم نشینوں سے مزاح ومذاق جوان کی شایان شان ہوتا وہ بھی نظروں کے سامنے آتا، خصوصاً حضرت مولانا عارف صاحبؒ اور مولانا عتیق احمد صاحب مدظلہ جیسے بے تکلف احباب جب آجاتے تو مجلس کا رنگ ہی بدل جاتا، کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ مولانا بڑے روکھے خشک مزاج وبداخلاق ہیں، آپ لوگوں سے ملاقات کرتے تو ایسے انداز سے کہ حدیث نبوی ان من المعروف ان تلقى اخاك بوجه طلق (کہ لوگوں سے خندہ پیشانی اور خوش مزاجی سے ملاقات کرنا بھی نیکی ہے) پر پورا عمل ہوتا تھا، حدیث پاک میں مومن کی شان میں وارد ہوا ہے "المومن مآلف لاخير فيمن لايألف ولايؤلف" (کہ مومن تو الفت ومحبت والا ہوتا ہے ایسے شخص میں کوئی خوبی نہیں جو خود لوگوں سے الفت ومحبت نہ رکھتا ہو اور نہ لوگ اس سے الفت ومحبت رکھتے ہوں، یہ شان بھی آپ کے اندر پائی جاتی تھی۔

### صحت وتندرستی کی فکر اور اس کا اہتمام

مولاناؒ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ صحت وتندرستی کا ان کو بڑا اہتمام تھا اور اس کی وہ بڑی فکر رکھتے تھے، بلاشبہ صحت وتندرستی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، فرمان نبویؐ "المومن القوى خير من العبد الضعيف" کہ صحت مند مومن کمزور مومن سے بہتر ہے، اس کے پیش نظر مولاناؒ نے اپنی پوری زندگی حفظِ صحت وبقائے صحت کا اہتمام فرمایا، بہت سے بزرگان دین حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ بعد فجر ذکر ووِرد اور مراقبہ کے مقابلہ میں حفظ صحت کے لیے چہل قدمی کو ترجیح دیتے تھے، اور خود یہ حضرات بھی بعد فجر مشی، چہل قدمی کے عادی تھے، اور اسی سیر وتفریح میں معمولات بھی پورے کرلیتے تھے، یومیہ ایک منزل قرآن پاک بھی پڑھ لیا کرتے تھے، مولاناؒ بھی ان ہی بزرگوں کے نقش قدم پر تھے، مولانا کا معمول تھا کہ ہر موسم میں بعد فجر ہمیشہ تقریباً چار کلومیٹر تیز رفتاری سے پیدل چلا کرتے تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ میری صحت کا راز یہ ہے کہ میں یومیہ اتنا چلتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ مولانا ہمیشہ صحت مند دیکھے گئے، اور یہی راز تھا کہ مولانا بہت کم بیمار ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ احقر علی الصباح جیپ سے ندوۃ العلماء جارہا تھا گاڑی پکے پل کے اوپر سے گزری، دیکھا کہ مولانا نہایت خشیط سپاہیانہ انداز میں تیز رفتاری سے چلے آرہے ہیں، ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور زبان سے ذکر وورد جاری ہے، قریب پہنچ کر احقر نے گاڑی رکوادی اور استاد محترم سے گاڑی پر بیٹھنے کی درخواست کی، مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا مولانا میں پیدل چلنے ہی کے لیے نکلا ہوں، گاڑی آگے چل دی مولانا اپنی رفتار سے چلتے رہے، اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا حسب معمول اسی پل پر سے چہل قدمی کرتے ہوئے آرہے تھے، پیچھے سے کسی ٹرک نے ٹکر ماری، مولانا گرے، زخمی ہوئے، اور بے ہوش ہوگئے، بالآخر یہی حادثہ مولانا کی وفات کا سبب بنا، اللہ تعالیٰ کی بھی عجیب شان ہے، کسے معلوم تھا کہ یہ صبح کی چہل قدمی جو مولانا کے لیے ہمیشہ صحت اور تندرستی کا باعث بنی رہی، یہی چہل قدمی مولانا کی نہ صرف زوال صحت بلکہ زوال حیات اور وفات کا ذریعہ بن جائے گی، ان اجل الله اذا جاء لايؤخر۔ اس حادثہ کو سن کر بے ساختہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کا ایک ملفوظ ذہن نے تازہ کرلیا، حضرت شاہ صاحب کا بھی معمول یومیہ چہل قدمی کا تھا، روزانہ جب ٹہل کر گھر واپس تشریف لاتے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے کہ یا اللہ میں سیر وتفریح کرکے گھر خیریت سے آگیا کسی حادثہ کا شکار نہیں ہوا، اس نعمت کا استحضار کرکے اللہ کا شکر ادا کرتے، واقعی حوادث سے حفاظت اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس نوع کے اچانک حادثوں سے موت ہوجانے کو شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔

☆☆☆☆☆

شوگر کے مرض سے دائمی نجات کے لئے ایک مؤثر یونانی دوا
رجسٹرڈ نمبر 17476
شوگر آف
چار ماہ مسلسل استعمال سے شوگر کے مرض سے مکمل چھٹکارا۔
اسٹاکسٹ: اودھ اسٹور، امین آباد لکھنؤ
فون: 0522-2614054
تیار کردہ: آرام فارمیسی، لکھنؤ
فون: 2248567، موبائل: 9415500247
9936510837

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796

پروپرائٹر: ولی اللہ

**WALIULLAH JEWELLERS**

All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery

ولی اللہ جوئیلرس

Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

**Quba Awning**

Awning & DEMOTENT

Scooter India Crossing
Gauri Bazar Kanpur Road
Lucknow
Ph: 0522-2817580
M: 09335236026, 09839095795
Branch Office
Maidan Pur Takiya Kalan Raibrelly
Ph: 9336324071

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

**ALAUDDIN TEA**

44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Ph: 23460220-23468708 Tele: Add Cupkettle

**Maqbool Mian Jewellers**

مقبول میاں جویلرس

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

**CAFE FIRDOS**

کیفے فردوس

Partly Air Conditioned

MOGHALAI & CHINESE FOOD

Tel : 23424781-23459921

145, Sarang Street,Crawford Market, Mumbai-400003

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956

حرمین ٹریڈرس

محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکیسٹ
التنبل یو اے ای۔ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپیشلسٹ

حرمین بک ڈپو

پرفیومس التنبل دوبئی
شہر لکھنؤ کے مختلف عطریات سے معطر

دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی۔ این۔ ور مارگ، امین آباد، لکھنؤ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں

men mark ®

58, Kalwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone: (S) 2616946 (R) 2627443

Abdullah Malik (Managing Director) - Ph: 0522-2266824, 2252789, (O) 2240999

**S. Abdul Malik & Sons**

Our World Famous Perfumes Exporters, Importers & Manufacturing Perfumesetc

Shamamatul Amber , Keora, Gulab, Ruh Khus, Ruh Gulab, Mohsin Shamama, Malik Shamama

253/28, Nadan Mahal Road, Nakkhas , Lucknow, U. P. (India)



**Nadwatul Ulama**

P.O. Box No. 93, Tagore Marg,
Lucknow - 226007 (India)

**ندوۃ العلماء**

ص.ب.۹۳ ٹیگور مارگ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۸ (الہند)


Date _____

التاریخ _____

# اہل خیر حضرات سے اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے۔ طالبان علوم دین کی کثرت کی وجہ سے دار العلوم میں درجات کی بڑی کمی واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے سال گذشتہ داخلے محدود کرنے پڑے، اور جدید طلباء کی ایک بڑی تعداد مایوس ہو کر واپس ہوگئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء نے جدید درسگاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

اس جدید درسگاہ میں جو تین منزلہ ہوگی پندرہ درجات ہوں گے۔ ہر درجہ ۳۴×۲۵ فٹ کا ہوگا۔ اور اس کے سامنے برآمدہ ہوگا تاکہ طلباء کو تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس تعمیر پر ۷۶ لاکھ روپے کے خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے، اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے تاکہ طلباءِ علمِ دین دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہونچے گا۔

وما ذلك على الله بعزيز

| | | | |
|---|---|---|---|
| (مولانا) واضح رشید ندوی | پروفیسر وصی احمد صدیقی | (مولانا) سعید الرحمن اعظمی ندوی | (مولانا) مفتی محمد ظہور ندوی |
| معتمد تعلیم ندوۃ العلماء | معتمد مال ندوۃ العلماء | مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء | ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء |

**نوٹ:** چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے: Nadwatul Ulama


*Phone* : (91-522) 2741316, 2740151 Fax : 2741231, 2741221
*e-mail Address* : nadwa@sancharnet.in / website: www.nadwatululama.org